اہلسنت میں روافض کے آلہ کاروں کی نشاندہی

جلد اوّل

رافضیت کے معمار



مصنف

مبلغ یورپ مفتی اورنگ زیب نقشبندی

ناشر انجمن انوار رضا یو کے

اہلسنت میں روافض کے آلہ کاروں کی نشاندہی

جلد اوّل

رافضیت کے معمار

مصنف

مبلغ یورپ مفتی اورنگ زیب نقشبندی

ناشر انجمن انوار رضا یوکے

نام کتاب	:	تفضیلیت کے معمار
مؤلف	:	ابواسماعیل مفتی اورنگزیب نقشبندی
کمپوزنگ	:	ایان احمد رضوی
پروف	:	محمد رمضان رضا ماتریدی
سن اشاعت	:	2022
تعداد	:	1100
صفحات	:	300
قیمت	:	500

انتساب

خیبر شکن رضی اللہ عنہ کے نام

ابو اسماعیل مفتی اورنگزیب نقشبندی

فاروق خان قادری

خادم

عرض مصنف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔اما بعد!

قارئین! ماضی قریب میں کچھ حضرات نے اہل سنت کے لبادے میں رافضیت کے فروغ میں کافی کردار ادا کیا، ان میں سے اکثر حضرات چہروں پہ سنیت کا لبادہ اوڑھے عوام اہل سنت کے ایمان کو لوٹتے رہے، مگر جب امیر اہلسنت مولانا الیاس عطار قادری نے یوم معاویہ منایا تو سنیت کے نقاب میں چھپے رافضیت کے چہرے بے نقاب ہوئے اور رہی سہی کسر جناب کنز العلماء کے خلاف شروع کی گئی مہم میں نکل گئی ۔ہم بھی ڈاکٹر صاحب کی تعبیر کو عوامی لحاظ سے غیر مناسب ہی گردانتے ہیں، لیکن اسے کفر و گستاخی کہنا ہرگز درست نہیں جبکہ اسلاف امت سے ایسی نسبتیں ثابت ہوں۔ بہرحال کنز العلما ڈاکٹر اشرف آصف جلالی دامت برکاتہم کے خلاف جو طوفان کھڑا کیا گیا اس میں ڈاکٹر صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا، مگر خود کو سنیت کا ٹھیکے دار سمجھنے والے ضرور روافض کی گود میں جا بیٹھے، اور ماضی میں جن سے عظمت حضرت معاویہ پہ مناظرہ تک کر چکے تھے، آج ان کی زبان ایسے گستاخان صحابہ کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتی ہے، چنانچہ ان حالات کے پیش نظر بندہ ناچیز نے ان گندم نما جو فروش حضرات کی نشاندہی کے لئے یہ کتاب ترتیب دینا شروع کی، ابتداء میں وسائل کی کمی کے باعث ہمت جواب دیتی نظر آئی مگر بعد ازاں بہت سے احباب نے علمی و عملی تعاون کیا، جس سے محض چند مہینوں کی محنت سے اس کتاب کی جلد اول آپ

احباب کے سامنے ہیں۔جس میں ہم نے چند شخصیات کا ذکر کر دیا ہے، بقیہ شخصیات کا تذکرہ دوسری جلد کی زینت ہوگا۔اس کے علاوہ تیسری جلد میں نکاح ام کلثوم کے حوالہ سے اس رافضی ٹولہ کی جانب سے جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کے جوابات کے ساتھ ساتھ جنگ صفین کے پس منظر پہ بھی تفصیل ہدیۂ قارئین کی جائے گی۔سفر بے شک طویل ہے، اس کے علاوہ مسئلہ تفضیل اور معصومیت پہ تفصیل عرض کرنے کے علاوہ باغ فدک کے متعلق گزارشات چوتھی جلد کی زینت ہونگی۔مگر مالک دو جہاں سے امید ہے کہ وہ اس کام کو مکمل کرنے کی کوئی نہ کوئی سبیل پیدا کرے گا۔اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو نافع الخلائق بنائے اور جادہ حق سے ہٹے لوگوں کو راہ ہدایت دکھلائے، آمین!۔

(1) محمود شاہ ہزاروی

پیر سید محمود شاہ ہزاروی صاحب کی ولادت 1872ء میں پیر سید محبوب علی شاہ کاظمی کے ہاں ہوئی اور موصوف کی وفات 25 دسمبر 1992 میں ہوئی۔یعنی 120 سال تک جناب زندہ رہے۔ساری زندگی جناب نے اہل سنت میں رافضیت پھیلانے کا کردار ادا کیا۔موجودہ دور میں رافضیت کے ترجمان حضرات کا شجرہ کسی نہ کسی طریقہ سے مل جاتا ہے۔کوئی مرید ہے،کوئی خلیفہ اور کسی کے پیر کو جناب سے الفت تھی ۔موصوف کی سوانح حیات پہ مشتمل کتب میں خلفاء کی فہرست درج ہے،ان میں جناب عبدالقادر شاہ، ریاض شاہ اور ابراہیم صائم چشتی صاحب کے نام درج ہیں۔اور یہ تینوں حضرات موصوف کی طرح رافضیت کے ترجمان ہیں،عرض کرنے کا مقصد یہی ہے کہ پاکستان میں رافضیت کی بنیادیں جناب نے مظبوط کی ہیں،جناب کے عقائد کا تذکرہ پیش خدمت ہے۔

نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا اقرار باعث توہین

جناب رقم طراز ہیں:۔

باقی رہا ام کلثوم بنت علی کا مہین و مضطرب اور بے اصل محض فسانہ کی نقل اڑانے والے اگرچہ دعویٰ سنیت کرتے ہیں مگر دراصل یہ بدترین تبرا ہے جسے ہوا دی جارہی ہے۔ہم علماء اہلسنت پر اس کا رد کرنا واجب ہے۔علماء حدیث فرماتے ہیں ان احادیث کی تاویل واجب ہے جن کے ظاہر سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلبیت اطہر اور

صحابہ کبار پر اعتراض اور حرف آنے کا محل ہو جیسے نووی شرح مسلم وغیرہ میں ہے تو ام کلثوم بنت علی کے تبرائی افتراء از سرتا پا اختلاف تعارض اضطراب بے سند محض نقول کا فسانہ جو اہل بیت اطہار و صحابہ کبار کی شدید ایذاء اور توہین کا موجب باعث ہے (مقامع السنیہ ص290)

نیز لکھتے ہیں:۔

ہمارے سنی علماء نے بھی بغیر تحقیق بے دھڑک اس واقعہ کو نقل کیا کہ حضرت امیر المومنین حضرت عمر فاروق نے اہل بیت کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنا چاہتے تھے اس لئے اس لڑکی سے نکاح کیا۔ یہ واقعہ شیعہ حضرات نے اصحاب ثلاثہ پہ تبراء کے لئے منگھڑت بنایا اور اپنی کتابوں میں درج کیا (تذکرہ حکیم ملت ص273)

قارئین! سب سے اولا عرض ہیکہ موصوف کا یہ کہنا کہ نکاح ام کلثوم کا افسانہ شیعہ کا گھڑا ہوا ہے یہ بھی عجیب ہے، اگر ان کی کسی روایت میں اس کا تذکرہ غیر مہذب انداز میں ہے تو اس غیر مہذب انداز کو ان کی جانب منسوب کیا جا سکتا ہے، مگر جب احادیث صحیحہ سنیہ سے اس کا ثبوت موجود ہے تو پھر اسے اہل تشیع سے منسوب کرنا درست نہیں۔ دوئم شیعہ حضرات اس کا انکار کرتے ہیں اور تقریبا وہی استدلال پیش کرتے ہیں جو ہمارے معاندین کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے، سید سجاد حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

شیعہ لوگوں کو حضرات اہلسنت اکثر چھیڑا کرتے ہیں کہ اگر خلفاء و حضرت امیر میں اتحاد نہوتا تو وہ کبھی اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا عقد حضرت عمر سے نہ

کرتے اس قضیہ واہی و بے بنیاد کی بحث میں اکثر رسائل مبسوط حضرات شیعہ نے لکھ کر اہل سنت کو ساکت ولا جواب کیا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے بجواب تحفہ اثناء عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی۔ جناب مرزا محمد صاحب کامل دہلوی اعلی اللہ مقامہ نے کتاب مسطاب نزہہ اثنا عشری میں مسکت خصم جواب دیا ہے (شرح کنز مکتوم ص2)

ایک اور شیعہ عالم لکھتے ہیں :۔

در حقیقت ام کلثوم بنت مولا علی کرم اللہ وجہہ کا نکاح حضرت عمر فارق سے منعقد ہونا ایسا پیچ در پیچ مسئلہ ہے۔ جس کا سلجھنا سخت دشوار نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اس معاملہ کے متعلق جتنی روایات کتب احادیث وتواریخ وسیر میں درج ملتی ہیں ان میں اس درجہ اختلاف و اضطراب اور تضاد وتہافت ہے کہ جن میں جمع و توافق ناممکن ہے۔ بعض روایات ایسی حیا سوز وغیرت کش ہیں جن کے تصور سے غیرت دار باحمیت انسان کو شرم آتی ہے۔ اور نہایت صدمہ ہوتا ہے کہ اکابر ملت اور بزرگان اسلام کے متعلق ایسی بیہودہ روایات کتب اسلامیہ میں درج نظر آتی ہیں۔ (السر المختوم ص28)

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ ہمارے معاندین کا یہ اعتراض ان کا اپنا نہیں بلکہ شیعی فکر سے مستعار ہے۔ اس نکاح کے تسلیم کرنے کو گستاخی کہنا بذات خود بہت بڑی جسارت ہے۔ کیونکہ اس کا ثبوت روایات صحیحہ میں موجود ہے، اور اکابرین ملت اس کے قائل ہیں۔ ہم محدثین فقہاء وغیرھما کے حوالہ ات عرض کئے دیتے ہیں۔ حافظ ابن

حجر لکھتے ہیں:۔

سیدہ ام کلثوم سے حضرت عمر بن الخطاب نے نکاح کیا تھا۔اور آپ علی المرتضیٰ کی صاحبزادی اور سیدہ فاطمہ کے بطن سے تھیں۔اس لیے انہیں رسول اللہ کی بیٹی کہا گیا۔آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی پیدا ہو چکی تھیں۔اور سیدہ فاطمہ کی آپ سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں (فتح الباری ج6 ص60)

امام قسطلانی فرماتے ہیں:۔

حاضرین کا بنت رسول اللہ کہنے سے مراد عمر بن الخطاب کی بیوی سیدہ ام کلثوم بنت علی المرتضیٰ تھیں۔اور یہ حضرت فاطمہ الزہرا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کی اولاد خود آپ کی طرف لوگ منسوب کیا کرتے ہیں (ارشاد الساری ج5 ص84)

ایسے ہی رقم طراز ہیں:۔

حضرت ام کلثوم نے یکے بعد دیگرے چار شادیاں کیں۔۔۔سب سے پہلے حضرت عمر فاروق نے اپنی خلافت میں حضرت ام کلثوم بنت حضرت فاطمہ سے شادی کی (مواہب اللدنیہ ج2 ص216)

ردالمحتار میں ہے:۔

چاروں خلفاء قریشی ہیں ۔اس کی تفصیل بحر الرائق میں ہے قولہ بعضھم اکفاء لبعض اس طرف اشارہ کررہا ہے کہ قریش باہم کوئی تفاضل نہیں۔ہاشمی،نوفلی،تیمی،عدوی وغیرہ سب ایک دوسرے کے کفوء ہیں اسی لیے

حضرت علی المرتضیٰ نے ہاشمی ہونے کے باوجود اپنی صاحبزادی ام کلثوم بنت فاطمہ الزاہرا کا عقد عمر بن الخطاب سے کر دیا حالانکہ وہ عدوی ہیں (رد المحتار ص 86 -87)

خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

خلیفہ ثانی سیدنا امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت سیدنا امیر المومنین علی کا رشتہ دینا اور ان کو شرف دامادی دینا کوئی کم مرتبہ دلیل نہیں۔ اعتبار کریں (مذہب شیعہ ص 78)

شاہ برکات حسن سجادہ نشین درگاہ مارہرہ فرماتے ہیں:۔

خلیفہ ثانی اس دامادی کا فخر کیونکر نہ کریں کہ اس دامادی میں رسول و بتول و علی و حسنین شامل ہیں۔ (القول الصحیح الموثوق فی عقد سدتنا ام کلثوم ص 45)

نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان رقم طراز ہیں:۔

حضرت عمر کے ساتھ ام کلثوم کے نکاح کا انکار ایسا ہی ہے جیسے دن کی روشنی مین سورج کا انکار۔ مگر برا ہو گروہی پاسداری اور مذہبی تعصب کا کہ فخر المحققین اور آیت اللہ فی العالمین کہے جانے والے اشخاص بھی جس کا شکار ہو جاتے ہیں (آیات بینات ص 379)

تاجدار گولڑہ حضرت سیّدنا پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :۔

وام کلثوم رضی اللہ عنہا رابنکاح آورد امیدالمومنین عمر رضی اللہ عنہ

پس پسلے زید نام بدائے اوبزادو بعد عمد رضی اللہ عنہ عون بن جعفد بزنی خواست۔ بعدازوے محمد بن جعفد بعدازوے عبداللہ بن جعفد

ترجمہ۔ حضرت سیّدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح میں لائے۔ ان سے ایک صاحبزادہ زید نام متولد ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد عون بن جعفر رضی اللہ عنہما کے نکاح میں آئیں۔ ان کے بعد محمد بن جعفر رضی اللہ عنہما ان کے بعد عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے نکاح میں آئیں۔ (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق۔ تاریخ اشاعت۔ جون۔ 2004 صفحہ 152)

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

حضور رسول اکرم کی صاحبزادیوں ام کلثوم و رقیہ کی نسبت نادان شیعہ کہا کرتے ہیں کہ وہ حضور کی حقیقی بیٹیاں نہ تھیں۔ بلکہ آپ کی ربیبہ تھیں۔ اس لئے مجازا بنات الرسول کہلاتی تھیں۔ اسی طرح ام کلثوم بن علی و فاطمہ زوجہ عمر فاروق کی نسبت کہنے لگے ہیں کہ وہ حضرت علی کی بیٹی بنت فاطمہ نہ تھی۔ بلکہ ام کلثوم بنت ابی بکر تھی جو حضرت علی کی ربیبہ تھی اور اپنی ماں اسماء بنت قیس کے ساتھ آئی تھی۔ اسی ام کلثوم ربیبہ علی کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ ہوا۔ تھا (تحفہ شیعہ ج 2 ص 496)

نیز لکھتے ہیں:۔

کتب احادیث فریقین سے اظہر من الشمس ہے کہ حضرت عمر فاروق کا نکاح حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ کے ساتھ ہوا۔ اور بے شک ہوا۔ اور ان سے اولاد بھی ہوئی (تحفہ شیعہ ج 2 ص 501)

علامہ نور بخش توکلی رقم طراز ہیں:۔

حضرت زہرا کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔امام حسن وامام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔محسن ورقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ام کلثوم جن کی شادی حضرت عمر فاروق سے ہوئی (سیرت رسول عربی ص 627، مکتبۃ المدینہ)

مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

عمر فاروق: آپ کے چھ بیٹے ہیں: عبد اللہ،عبید اللہ،عبد الرحمن(ابو شحمہ) زید،مجیر،عاصم ان میں سے زید ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا کے بطن شریف سے پیدا ہوئے (مراۃ المناجیح ج8 ص619)

ایسے ہی فرماتے ہیں:۔

ام کلثوم بنت علی جو حضرت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں اور یہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔(مراۃ المناجیح ج6 ص859)

اعلی حضرت عظیم البرکت رقم طراز ہیں:

حدیث فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث مع قصہ حضرت سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اپنے ساتھ نکاح مروی ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج 23 ص39)

علامہ عبدالمصطفی اعظمی فرماتے ہیں:۔

۲ھ میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کا نکاح ہوا اور ان کے شکم

مبارک سے تین صاحبزادگان حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت محسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تین صاحبزادیوں زینب و ام کلثوم و رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی ولادت ہوئی۔ حضرت محسن و رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا۔ (سیرت مصطفیٰ ص448)

بہر حال نفس نکاح اکابرین اہلسنت کی کتب سے ثابت ہے، اس کے علاوہ شیعہ سنی دونوں حضرات کی کتب اس واقعہ پہ شاہد ہیں، جس کی مفصل بحث اوراق آئندہ پہ ثبت ہے۔ اس لئے اگر کوئی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کردار کو مجروح کرتی ہے تو اس کا انکار کیا جا سکتا ہے، لیکن نفس مسئلہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہاں اس قسم کی صراحت موجود نہیں۔ اس لئے اس کا انکار درست نہیں، بلکہ رافضی موقف کو تقویت دینے کے مترادف ہے، جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے۔

افضلیت صدیق رضی اللہ عنہ کا انکار

اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ افضل البشر بعد از انبیاء حضرت صدیق اکبر ہیں، لیکن موصوف اس کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بلاشبہ سادات حسنی حسینی جو عالم میں موجود ہیں حضور علیہ السلام کی اولاد و عترت ہیں اور یقیناً سادات حسنی حسینی کو حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونے سے بجز انبیاء کے سارے عالم لوگوں پر فضیلت و شرف امتیاز ہے اور کوئی بھی ان کے شرف کو نہیں پہنچ سکتا تبھی تو وہ سید کہلاتے ہیں (مقامع السنیہ ص27)

ایسے ہی لکھا:۔
جانو کہ افضلیت خلفاء اربعہ بنی فاطمہ کے سواسے خاص ہے (یعنی غیر بنی فاطمہ کے ساتھ متعلق و مخصوص ہے) (السیف المسلول ص 39)

جناب کی عبارات کا حاصل یہ ہے کہ افضلیت شیخین کریمین بنی فاطمہ کے سوا لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اولاد فاطمہ حضرات خلفاء اربعہ سے افضل ہے۔ موصوف کا یہ نظریہ اہل سنت سے متصادم ہے، اہل سنت کے نزدیک افضل البشر بعد از انبیاء حضرت ابو بکر صدیق ہیں، اس عقیدے کا منکر تفضیلی گمراہ خارج از اہل سنت ہے۔ جیسا کہ ہم مقدمہ میں صراحت کر چکے ہیں۔ ان کے اس عقیدے کا رد کرتے ہوئے علامہ محمد علی نقشبندی فرماتے ہیں:۔

محمود ہزاروی نے ایک عقیدہ یہ لکھا ہے کہ بنی فاطمہ کا ہر فرد خلفائے راشدین سے افضل ہے۔ یہ اس کا مصنوعی عقیدہ ہے۔ جمہور اہل سنت کا اس بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ کہ امت محمدیہ میں سب سے افضل ابو بکر ان کے بعد عمر بن الخطاب میں ہیں۔ محمود ہزاروی نے اپنے بناوٹی عقیدہ کے استدلال میں ایک لایعنی اور غیر معتبر کتاب دستور العلماء کا حوالہ دیا۔ جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کہ خلفائے راشدین کے جہاں فضائل و کمالات بیان ہوئے۔ وہ بنی فاطمہ کے علاوہ لوگوں پر ہیں۔ کیونکہ بنی فاطمہ، خلفائے راشدین سے افضل و اکمل ہیں (دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ج 2 ص 469)

امام نسفی فرماتے ہیں:۔

وافضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق

ترجمہ:۔اور تمام انسانوں سے بہتر ہمارے نبی ﷺ کے بعد ابو بکر صدیق ہیں
علامہ ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت و جماعت نے کہا ہے کہ انبیاء و رسل اور فرشتوں کے بعد تمام مخلوق سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔'' (تمھید ابوشکور سالمی، ص ۴۶۳)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:۔

''نبی کریم رءوف رحیم ﷺ کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔'' (احیاء العلوم، کتاب قواعد العقائد، الرکن الرابع، الفصل السابع، ج ۱، ص ۱۵۱)

☆امام شعرانیؒ فرماتے ہیں:۔

''جان لو کہ دو جہاں کے تاجور، سلطانِ بحر و بر ﷺ کے بعد امام برحق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، پھر حضرت سیدنا عمر، پھر حضرت سیدنا عثمان غنی، پھر حضرت سیدنا علی المرتضی رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔اور اس پر احادیث سے بے شمار دلائل موجود ہیں جو مجموعی طور پر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مقدم ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔(الیواقیت والجواھر، المبحث الثالث والاربعون، الجزء الثانی، ص ۹۲۳)

حضرت امام قاضی عیاض مالکیؒ حدیث پاکؐ نقل فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

''اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو تمام جہانوں پر ما سوائے انبیاء ومرسلین کے منتخب فرمایا ہے اور ان میں سے چار کو میرے لیے چن لیا ہے وہ چار ابوبکر، عمر، عثمان، علی ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ نے میرا بہترین ساتھی بنایا اور میرے تمام صحابہ میں خیر ہے۔'' (الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ، ج ۲، ص ۴۵)

محبوب سبحانی شہباز لامکانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی حسنی حسینی غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں:۔

''عشرہ مبشرہ میں سے افضل ترین چاروں خلفاء راشدین ہیں اور ان میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ زوران چاروں کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے خلافت ثابت ہے۔'' (الغنیۃ، العقائد والفرق الاسلامیۃ، ج ۱، ص ۱۵۷،)

علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں:۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد ساری مخلوق میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ

تعالیٰ عنہ ہیں۔" (ارشاد الساری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عثمان بن عفان، تحت الحدیث: ۳۶۹۶، ج ۸، ص ۵۱۲)

میر سید عبد الواحد بلگرامیؒ فرماتے ہیں:۔

"اس پر بھی اہل سنت کا اجماع ہے کہ نبیوں کے بعد دوسری تمام مخلوق سے بہتر حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اُن کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے بعد سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔" (سبع سنابل، ص ۷)

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

"خلفاء اربعہ کی افضلیت اُن کی ترتیب خلافت کے مطابق ہے یعنی تمام صحابہ سے افضل سیدنا ابوبکر صدیق ہیں پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔" (تکمیل الایمان، ص ۱۰۴)

نیز لکھتے ہیں:۔

اگر علمائے اہلسنت حضرت ابوبکر وعمر کی افضلیت پر بلکہ اس کے قطعیت پہ یقین رکھتے ہیں تو وہ حق پر ہیں (تکمیل الایمان ص 169)

داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

صوفیاء کرام نے ترک دنیا اور حرص ومنزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لیے پسند کیا کہ دین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام مسلمانوں کے امام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیا کے امام خاص

۔" (کشف المحجوب ص ۱۱۷، مترجم)

☆ایسے ہی ایک اور صوفی بزرگ لکھتے ہیں:۔

"آدمیوں میں سب سے بزرگ، بعد وجود مبارک حضرت رسول خدا ﷺ کے، حضرت ابوبکر صدیق بن قحافہ ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعد ان کے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعد ان کے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالیٰ۔ بعد ان کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابی طالب ہیں (عقائد نظامیہ ص ۱۸)

علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ فرماتے ہیں:۔

"صوفیاء کرام کا بھی اس بات پر اجماع ہے کہ امت میں سیدنا ابوبکر صدیق پھر سیدنا عمر فاروق پھر سیدنا عثمان غنی پھر سیدنا علی المرتضی سب سے افضل ہیں۔"

(النبر اس شرح شرح العقائد، ص ۲۹۴)

اعلی حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانہ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خانؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ اجمعین تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں، پھر ان کی باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر رضی اللہ تعالی پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔" (فتاوی رضویہ، ج 28، ص 478)

صدر الشریعہ حضرت مولانا مفتی امجد علی اعظمیؒ فرماتے ہیں:۔

''بعد انبیاء و مرسلین، تمام مخلوقات الٰہی انس و جن و ملک (فرشتوں) سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر عمر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر مولیٰ علیؓ۔'' (بہار شریعت، ج ا، ص ۱۴۲)

پیر مہر علی شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

شیخین کا انفاق اور قتال احادیث صحیحہ سے مقدم ثابت ہے۔لہٰذا خلافت ان کی خلافت راشدہ و خاصہ ٹھہری جس میں خلیفہ کا افضل ہونا ضروری سمجھا گیا ہے (تصفیہ مابین سنی و شیعہ ص 23)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقم طراز ہیں:۔

اور یہاں مفسرین کے اجماع کے مطابق اتقیٰ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔۔۔۔اور اہل سنت و جماعت نے اسی لفظ کے ساتھ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد جو کہ خارج از بحث ہیں، حضرت ابو بکر صدیق کے ساری امت سے افضل ہونے کی دلیل پکڑی ہے (تفسیر عزیزی، تیسواں پارہ ص 399)

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرامؑ کے بعد تمام عالم سے افضل حضرت سیدنا ابو بکر صدیقؓ ہیں اُن کے بعد حضرت عمر اُن کے بعد حضرت عثمان اور اُن کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔'' (سوانح کربلا، ص ۸۳)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:۔

اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس امر پر علمائے امت اور عظمائے ملت

کا اتفاق ہو چکا ہے۔وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس امت کے افضل ترین آدمی ہیں (الصواعق المحرقہ ص153)

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانہ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خانؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

''(حضرت سیدنا صدیق وعمر کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت وشریعت کا یہی مذہب ہے۔'' (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص ۱۸)

مولانا محمد ہاشم ٹھٹوی امام ابوالحسن اشعری کے حوالہ سے رقم فرماتے ہیں:۔

خلفاء اربعہ کی افضلیت اہلسنت وجماعت کی ترتیب معروف کے مطابق قطعی ہے (الطریقۃ المحمدیہ ص109)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

بیان اجماع صحابہ و تابعین بر آنکہ افضل امت ابوبکر صدیق است

ترجمہ:۔حضرت ابوبکر صدیق کے افضل امت ہونے پہ اجماع کا بیان (قرۃ العنین ص26)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

جاننا چاہئے اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور پھر حضرت عمر فاروق یہ افضلیت شیخین کتاب وسنت

اجماع امت، عقلی دلائل، آثار صحابہ و تابعین و ائمہ سے ثابت ہیں (السیف المسلول ص400)

مزید رقم طراز ہیں:۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز صحابہ کرام کے سامنے ابو بکر کی افضلیت بیان فرماتے رہے کسی نے انکار نہ کیا، یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا (السیف المسلول ص419)

نیز:۔

اپنی خلافت کے زمانہ میں متعدد مجالس میں حضرت علی نے افضلیت شیخین بیان فرمائی، اس مسئلہ میں جو لوگ فاسد ظن رکھتے تھے انہیں تنبیہ کی ۔۔۔۔۔۔ ذہبی فرماتے ہیں اسی سے زائد اشخاص حضرت علی سے شیخین کی افضلیت بترتیب روایت کرتے ہیں انتہی (السیف المسلول ص420)

ملاں علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں:۔

اجتمع المهاجرون والانصار على ان خير هذه الامة بعد نبيها ابو بكر و عمر و عثمان

تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے بہتر ابو بکر ہیں اور عمر اور عثمان (مرقاۃ ج11 ص334)

ملاں علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں:۔

فهو افضل الاولياء من الاولين ولاخرين وقد حكى الاجماع

علی ذلك والاخرین

یعنی صدیق اکبر اولین و آخرین تمام اولیاء سے افضل ہیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے (شرح فقہ اکبر ص 61)

امام یحییٰ بن شرف نوویؒ فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم ہیں۔'' (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج ۸، الجزء: ۱۵، ص ۱۴۸)

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت و جماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُم)۔'' (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لو کنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث: ۳۶۷۸، ج ۷، ص ۲۹)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ابوبکر اور عمر کی افضلیت پر صحابہ کا اجماع ہے (الاعتقاد ص 369)

میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں افضل ابوبکر صدیق، ان

کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اوران کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں (سبع سنابل ص 7)

منکر کا شرعی حکم

ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

پھر یہ بات بھی جان لینی چاہیے کہ تمام روافض اور اکثر معتزلہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ پر فضیلت دینے کے قائل ہین (شرح فقہ اکبر ص 138، مترجم، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

نیز لکھتے ہیں:۔

اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر فضیلت دینا اہلسنت و جماعت کے مذہب کے خلاف ہے اور اس پر تمام اسلاف کا اجماع ہے (شرح فقہ اکبر ص 139)

شیخ جیلانی فرماتے ہیں:۔

ان کو شیعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں ۔ان کو سارے اصحاب پر فضیلت دیتے ہیں (غنیۃ الطالبین ص 176)

اعلی حضرت لکھتے ہیں:۔

غنیۃ الطالبین شریف میں کہ مشہور بذات پاک حضرت غوث اعظم ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ عقیدہ روافض میں مرقوم :۔ومن ذلك تفضيلهم عليا على جميع الصحابة (غنیۃ الطالبین ص 180 بحوالہ مطلع القمرین)

ایک شبہ کا ازالہ

امام ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں بیان کیا ہے کہ غنیۃ میں بیشمار الحاقات ہوئے اسلئے اسکے حوالہ جات کو استعمال نہیں کرنا چاہیے (زبدۃ التحقیق ص 174)

یہ شبہ بظاہر پرفریب ہے، سطحی قسم کے حضرات اس شبہ کا شکار بھی ہو سکتے ہیں، مگر اس پرفریب مغالطہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لئے کہ کسی عبارت کو الحاقی ثابت کرنے کے لئے دلیل کی حاجت ہے۔ عقیدہ تفضیل کے متعلق یہ کہنا کہ یہ الحاقی ہے انتہائی بچگانہ قسم کا استدلال ہے۔ کیونکہ اس کی تائید جمہور کے موقف سے ہوتی ہے، دیگر حضرات نے بھی یہی بات رقم کی ہے۔ دوئم جن حضرات نے اس کتاب کو الحاقی قرار دیا ہے انہوں نے ہی اس سے استدلال کیا ہے۔۔ جیسے امام اہلسنت امام احمد رضا خان کے نزدیک اس میں الحاقات ضرور ہوئے ہیں، مگر انہوں نے خود اس عبارت سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ نقل کیا جاچکا۔

صاحب نبراس لکھتے ہیں:۔

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس پر شیعہ مذہب کے ابطال کا دارومدار ہے، ان کا پہلا اصول ہی یہ ہے کہ حضرت علی سب سے افضل ہیں، جو افضل وہی خلافت کا حقدار ہوتا ہے، اور جو حقدار کو خلافت نہ دے وہ غاصب اور ظالم ہے، اور جو ظالم ہو وہ عادل نہیں ہوتا اور جو عادل نہ ہو اس کا روایت کردہ دین بھی معتبر نہیں ہوتا۔ شیعہ مذہب کے پاس عوام کو گمراہ کرنے کی یہ ترتیب ہے۔ اس عقیدے کا فساد معتزلہ، جبریہ اور ان جیسے مذاہب سے بڑھ کر شدید ہے، لہذا علماء پر واجب ہے کہ افضلیت کے مسئلے کو

خصوصی اہمیت دیں۔۔۔اس مسئلے کو خاص اہمیت دینے کیلئے تمہارے پاس یہی دلیل کافی ہے کہ علماء نے شیخین کی افضلیت اور ختنین کی محبت کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے(نبراس ص302)

امام شعرانی لکھتے ہیں:۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر سے افضل ثابت کرنے والے رافضی ہیں(الیواقیت الجواہر ج2 ص437)

امام ابن ہمام فرماتے ہیں:۔

روافض کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جس نے سیدنا علی المرتضیٰ کو تین خلفاء پر فضیلت دی وہ بدعتی ہے(فتح القدیر ج1 ص360)

میر سید عبدالواحد بلگرامی لکھتے ہیں:۔

جو شخص حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجی ہے اور جو شخص کہ انہیں حضرت امیر المومنین ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر فضیلت دے وہ رافضیوں میں سے ہے(سبع سنابل ص62)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت کا اجماع ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام الاولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولیٰ المسلمین سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بھی اکرام و افضل واتم و اکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی شیعی رافضی مانتے ہیں''(عرفان شریعت ص ۸۷)

مزید فرماتے ہیں:۔

حاصل یہ کہ تفضیل صدیق قرآن وصدیق واجماع امت سے ثابت، جو اس سے انکار کرے قریب ہے کہ اس کے ایمان خطرہ ہو۔انتہائی عجب اس سے جو اجماع صحابہ وتابعین وکافہ اہل سنت کا خلاف کرے اور خود کو سنی جانے (مطلع القمرین ص 129، کتب خانہ امام احمد رضا)

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:۔

جو شخص حضرت علی کو حضرت ابو بکر وعمر سے افضل کہے وہ رافضی ہے (تذکرۃ المحدثین ص282)

ان تمام حوالہ جات سے یہ ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق بعد از انبیاء افضل الامت ہیں، یہ عقیدہ قطعی ہے اور اس کا منکر خارج از اہل سنت اور رافضی ہے۔

حضرت معاویہ کی توہین

موصوف نے جہاں دیگر باطل نظریات کی ترویج کی ہے وہاں خاص طور پہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ہرزہ سرائی کی ہے۔جس پہ بطور نمونہ ہم موصوف کی چند عبارات بمع تبصرہ پیش کرتے ہیں۔جناب لکھتے ہیں:۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اہل بیت رسول پر ظلم۔ان سے جنگ۔ان کے مقابل دشمن کو مدد دینا۔ان کو گالی دینا ان کی توہین کرنا اللہ رسول کے نزدیک وہ گمراہی کے کام ہیں جن سے آدمی جنت سے محروم ہو کر پورا پوار جہنمی بن جاتا.

ہے اور یوں کہ اللہ نے اس پر مطلقا بہشت کو حرام فرما دیا ہے (السیف المسلول ص 23)

موصوف نے حدیث کا سہارا لیکر مطلقا جنگ لڑنے کو توہین قرار دیا ہے جبکہ ان کی یہ روش درست نہیں۔ اس لئے کہ اس حدیث کا مطلب یہی ہے کہ جو بغض وعداوت کے ساتھ یہ سب اعمال سرانجام دیں، جبّ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے باہم دست وگریباں ہوئے تھے تو اس کی بنیاد ان کا اجتہاد تھا، اگر یہ تاویل نہ کی جائے تو ہم کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نشین حضرات کا دفاع بھی مشکل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مسلم شریف میں ہے:۔

حدثني ابو كامل فضيل بن حسين الجحدري، حدثنا حماد بن زيد، عن ايوب، ويونس، عن الحسن، عن الاحنف بن قيس، قال: خرجت وانا اريد هذا الرجل فلقيني ابو بكرة، فقال: اين تريد يا احنف؟ قال: قلت: اريد نصر ابن عم رسول الله صلى الله عليه وسلم يعني عليا، قال: فقال لي: يا احنف ارجع، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: " إذا تواجه المسلمان بسيفيهما، فالقاتل والمقتول في النار "، قال: فقلت: او قيل: يا رسول الله هذا القاتل فما بال المقتول؟، قال: "إنه قد اراد قتل صاحبه".

احنف بن قیس سے روایت ہے، میں نکلا اس ارادہ سے کہ اس شخص کا شریک ہوں

گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بمقابلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے) راہ میں مجھ سے ابوبکرہ ملے، کہنے لگے: تم کہاں جاتے ہو اے احنف!؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں مدد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کی یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔ ابوبکرہ نے کہا: تم لوٹ جاؤ اے احنف! کیونکہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ”جب دو مسلمان اپنی تلوار لے کر بھڑیں تو مارنے والا اور جو مارا جائے دونوں جہنمی ہیں۔“ میں نے عرض کیا یا کسی اور نے کہا: یارسول اللہ! قاتل تو جہنم میں جائے گا لیکن مقتول کیوں جہنم جائے گا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”وہ بھی تو اپنے ساتھی کے قتل کے درپے تھا۔“(صحیح مسلم ج 2 ص 389، كِتَاب الْفِتَنِ وَأَشْرَاطِ السَّاعَةِ، باب إِذَا تَوَاجَهَ الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفَيْهِمَا، حدیث نمبر 7252، صحیح البخاری رقم حدیث 7083، سنن أبی داود رقم حدیث 4268، سنن ابن ماجه 3965)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جب دو مسلمان آپس میں لڑیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں، اور اس حدیث کی رو سے معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ بھی نعوذ باللہ جہنمی ہونے کا فتوے لگے گا، لیکن اگر یہاں تاویل کا دامن پکڑنے کی سعی کی جائے گی، تو یہی روش حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم اور ان کے حامی حضرات کے متعلق بھی اختیار کی جاسکتی ہے۔ ایسے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھتے ہیں:۔

یہی ہوا کہ آج اہل بدعۃ مبتدعین بانی بغاوت وظلم و بد معاویہ صاحب کو خلیفہ ششم الاپنے لگے (سوالات مومنین جوابات 33 علمائے دین ص 51)

قارئین! محمود صاحب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ظالم کے معنی میں باغی کہنا یہ اہلسنت کے موقف سے عدول ہے، بغاوت کی بحث اس کتاب کے متفرق مقامات پہ موجود ہے، سر دست، ہم حضرت معاویہ کو چھٹا خلیفہ ماننے موصوف کی بے چینی کا خاتمہ کیے دیتے ہیں۔ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:۔

معاویہ چھٹے خلیفہ ہیں اور ساتویں عمر بن عبد العزیز ہیں۔ باقی پانچ خلفاء اہلبیت میں سے اولاد علی میں سے ہوں گے (مقدمہ ابن خلدون ج 2، ص 178)

امام جلال الدین سیوطی رقم طراز ہیں:۔

رسول اللہ نے جن بارہ خلفاء کی بابت ارشاد فرمایا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں چاروں خلفاء راشدین، امام حسن، حضرت معاویہ، ابن زبیر، عمر بن عبد العزیز یہ آٹھ ہوئے (تاریخ الخلفاء ص 108)

امام اہلسنت فرماتے ہیں:۔

اس سے مراد وہ خُلفاء ہیں کہ والیانِ اُمت ہوں اور عدل و شریعت کے مطابق حکم کریں، ان کا متصل مسلسل ہونا ضرور نہیں۔ نہ حدیث میں کوئی لفظ اس پر دال ہے، اُن میں سے خلفائے اربعہ و امام حسن مجتبےٰ و امیر معاویہ و حضرت عبد اللہ بن زبیر و حضرت عمر بن عبد العزیز معلوم ہیں اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ نو ہوئے باقی تین کی تعیین پر کوئی یقین

نہیں۔(فتاویٰ رضویہ ج27 ص3)

کلاً وعد اللہ الحسنیٰ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خارج

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

یوں ہی ملاں نئے پرانے وکلا وعد اللہ الحسنی پر بھی رشوت کا حق نمک ادا کرنے میں۔۔طاغی ظالم مبتدع سب کو جنت میں گھسانے کی سعی ناکام کرنے کے عادی ہیں۔۔۔طاغین، باغین کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ملا نے نئے پرانے نفاق کفر، بغاوت ظلم، بدعت کے بانی وموجد معاویہ صاحب کی وکالت کا ذمہ لئے ہوئے ہیں(سوالات مومنین جوابات 33 علمائے دین ص52)

یہ انداز صد فیصد روافض سے مستعار ہے، وہ بھی اس آیت سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ و دیگر حضرات کو خارج کرتے ہیں یہاں تفصیل سے اعراض کرتے ہوئے ہم مفسرین کے چند حوالہ جات ہی پیش کرتے ہیں، اس پہ تفصیلی گفتگو مفتی چمن زمان صاحب کے عقائد ونظریات کے ضمن میں ہوگی۔علامہ ابن جریر طبری رقم طراز ہیں:۔

(وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى) يقول تعالى ذكره: وكلّ هؤلاء الذين أنفقوا من قبل الفتح وقاتلوا، والذين أنفقوا من بعد وقاتلوا، وعد الله الجنة بإنفاقهم في سبيله، وقتالهم أعداءه(تفسير طبری ج24ص177)

امام بغوی رقم طراز ہیں:۔

(وکلا وعد اللہ الحسنی) أی کلا الفریقین وعدھم اللہ الجنۃ

(تفسیر بغوی ج8 ص34)

تفسیر قرطبی میں ہے:۔

وکلا وعد اللہ الحسنی أی : المتقدمون المتناھون السابقون، والمتأخرون اللاحقون، وعدھم اللہ جمیعا الجنۃ مع تفاوت الدرجات (تفسیر قرطبی ج18 ص241)

تفسیر سعدی میں ہے:۔

{ وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى } أی: الذین أسلموا وقاتلوا وأنفقوا من قبل الفتح وبعدہ، کلھم وعدہ اللہ الجنۃ، وھذا یدل علی فضل الصحابۃ [کلھم]، رضی اللہ عنھم، حیث شھد اللہ لھم بالإیمان، ووعدھم الجنۃ (تفسیر السعدی)

امام ابوالمنصور ماتریدی رقم طراز ہیں:۔

(وَكُلًّا وَعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى)، أی: وعد اللہ لکلا الفریقین: من أنفق قبل الفتح وبعدہ الجنۃ والثواب الحسن (تاویلات اھل السنہ ج9 ص519)

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رقم طراز ہیں:۔

یہاں قرآن عظیم نے ان دریدہ دہنوں، بیباکوں، بے ادب، ناپاکوں کے منہ میں پتھر دے دیا جو صحابہ کرام کے افعال سے اُن پر طعن چاہتے ہیں وہ بشرطِ صحت اللہ

عزوجل کو معلوم تھے پھر بھی اُن سب سے حسنیٰ کا وعدہ فرمایا، تواب جو معترض ہے اللہ واحد قہار پر معترض ہے جنت ومدارج عالیہ اس معترض کے ہاتھ میں نہیں اللہ عزوجل کے ہاتھ ہیں معترض اپنا سر کھاتا رہے گا اور اللہ نے جو حُسنیٰ کا وعدہ اُن سے فرمایا ہے ضرور پورا فرمائے گا اور معترض جہنم میں سزا پائے گا وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئك اعظم درجة من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد الله الحسنٰی والله بما تعملون خبیر۔ (القرآن الکریم ۵۷/۱۰)

اے محبوب کے صحابیو! تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ وقتال کیا وہ رُتبے میں بعد والوں سے بڑے ہیں، اور دونوں فریق سے اللہ نے حُسنیٰ کا وعدہ کرلیا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو۔

اب جن کے لیے اللہ کا وعدہ حسنیٰ کا ہولیا اُن کا حال بھی قرآن عظیم سے سنئے: ان الذین سبقت لھم منا الحسنٰی اولئك عنھا مبعدون ٥لایسمعون حسیسھا وھم فی ما اشتھت انفسھم خلدون ٥لایحزنھم الفزع الاکبر وتتلقٰھم الملئکة ھذا یومکم الذی کنتم توعدون۔ ا(القرآن الکریم ۲۱/۱۰۱و۱۰۲)

بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حُسنیٰ کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے۔ وہ بڑی

گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

یہ ہے جمیع صحابہ کرام سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے قرآن کریم کی شہادت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی مشکل کشا کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم قسم اول میں ہیں جن کو فرمایا: اولئك اعظم درجة ۔ اُن کے مرتبے قسم دوم والوں سے بڑے ہیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہم قسم دوم میں ہیں، اور حسنی کا وعدہ اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل۔ (فتاوی رضویہ ج29 ص44)

ان تمام مفسرین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت میں تمام صحابہ شامل اور جنتی ہیں۔ اور صرف روافض ہی اس آیت سے بعض صحابہ کو خارج کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طبقہ کے ایک نمائندہ لکھتے ہیں:۔

یہ مطلب کسی آیت سے نہیں نکلتا کہ تمام صحابہ فرداً فرداً قابل تعریف ہیں (صحابیت ج1 ص27)

بنی امیہ پہ احادیث گھڑنے کا الزام

موصوف لکھتے ہیں:۔

بنی امیہ کے باغی دور میں تباہی خلافت کے بعد زنادقہ کے یہودی ایجنٹ ستر فرقوں سے ایک فرقہ نے بارہ ہزار حدیثیں وضع کرڈالی تھیں جن میں تخریب دین وایمان کا سامان کیا گیا تھا (شرف سادات ص86، تذکرہ حکیم ملت ص405)

نیز لکھتے ہیں:۔

اللہ نے عزیز القدر مجاہد ملت صائم چشتی کو ہمت دی اور توفیق بخشی کہ انہوں نے ایمان ابوطالب وشہید ابن شہید کتاب لکھ کر ملت اور اہل ملت پر احسان کی عظمت پائی بعض دینی نابالغ ملاؤں نے انکی کاوش کا منہ چڑایا اور اپنی دینی اور ایمانی نابالغی کا نادانستہ اقرار کیا اور جن روایات شہرت کی اباطیل کے سہارے انہوں نے ایسا کیا وہ دراصل یہودی سازش کی بغاوت کی یادگار ہیں (ایمان ابی طالب ص 46)

جبکہ یہ اعتراض مستشرقین کا پھیلایا ہوا ہے، جس کے زیر اثر موصوف نے اسے قبول کیا۔ مستشرقین کے اس اعتراض کو نقل کرتے ہوئے محمد ممتاز تیمور صاحب رقم طراز ہیں:۔

دوسرا اعتراض مستشرقین کی جانب سے یہ کیا جاتا ہے کہ متاخرین کی طرح صحابی نے بھی احادیث وضع کرنے کی سعی نامشکور سرانجام دی ۔جبکہ اس دعویٰ پہ مستر شقین کا دعویٰ کسی بھی دلیل سے یکسر محروم ہے ۔اگر اس موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو خود قرآن کی حیثیت شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتی ہے، اس لئے مندرجہ بالا اتہام محض ذاتی رائے یا قیاس سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا۔ تیسرا اعتراض عموی طور پہ یہ کیا جاتا ہے کہ حکمرانوں اور علماء نے اپنے اپنے مقاصد کے تحت احادیث وضع کیں ۔اول تو علماء سے یہ منسوب کرنا ہی ان کے شان جلالت کے خلاف ہے ، کیونکہ ان کی ثقاہت کی ایک عالم گواہی دیتا ہے ۔ان حضرات نے اگر احادیث

وضع کی ہوتیں تو اسانید کا سلسلہ معرض وجود میں نہ آتا؟، رواۃ کی چھان بین نہ کی جاتی۔اس طرح اگر حکمرانوں نے احادیث گھڑیں ہوتی تو ضرور ان کے عامل و خدام کے نام اسانید میں موجود ہوتے مگر یہ سب یکسر مفقود ہے جو مستشرقین کے اس کھوکھلے دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے۔ان حضرات کے دیگر اعتراضات بھی بنیادی طور پہ ان سہ اعتراضات کے ضمن میں ہی ہیں، مثلاان کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ احادیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اڑھائی سوسال کے بعد معرض وجود میں آئیں (34) اموی حکمرانوں کے ساتھ امام زہری کی شخصیت کو خاص طور پہ احادیث گھڑنے کے لئے مطعون کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ بعض احادیث کے متون پہ بھی شبہات کا اظہار کیا جاتا ہے (مجلہ، احیائے حدیث ،گجرات، مارچ 2021 ص 109)

ڈاکٹر محمد شہباز منج لکھتے ہیں:۔

گولڈزیہر کے مطابق اکثر و بیشتر احادیث فرضی وجعلی ہیں۔اموی حکمران اور علمائے صالحین اپنے اپنے مقاصد کے لیے احادیث وضع کرلیا کرتے تھے۔علماء نے فسق وارتداد کے مقابلے کی غرض کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کے کہنے پر بھی احادیث وضع کیں (فکر استشراق اور عالم اسلام اوران کی نوعیت ص 131)

اب شیعہ حضرات کی زبانی بھی اس اعتراض کو ملاحظہ کریں۔سید عباس ارشاد نقوی لکھتے ہیں:۔

امام بخاری کے سب سے معتبر راوی ابوہریرہ ہیں جن کو اپنی اسانید میں امام بخاری

اور ان کے ہمنواؤں نے معتبر سمجھا ہے انکا یہ عالم ہے کہ بنی امیہ کی خیرات پر حدیثیں وضع کرنا ان کا پیشہ ہے (اعترافات صحیح بخاری ص 11)

ملوکیت کا کفر ہونا

موصوف لکھتے ہیں:۔

اسلام میں صرف خلافت کا نظام ہے اور اس کو چلانے والے کو خلیفہ کہا جاتا ہے ملوکیت کا نظام فرعونی اور ہامانی ہے (تذکرہ حکیم ملت ص 454)

نیز رقم طراز ہیں:۔

مندرجہ بالا بیانات سے صاف معلوم ہوا کہ خلافت حق ہے اور ملوکیت کفر خلیفہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے اور بادشاہ شیطان کا نائب ہوتا ہے (تذکرہ حکیم ملت ص 571)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوا جو کہ کفر ہے (تذکرہ حکیم ملت ص 271)

موصوف ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا مبارک خلافت راشدہ کا دور آرہا ہے۔ جب حضور معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے سب باطل شیطانی ملوکیت کے باطل سلسلے اپنی موت آپ مرجائیں گے (سیرت محدث ہزاروی ص 292)

مطلقاً ملوکیت کو کفر کہنا نہ صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بلکہ سلطنت عثمانیہ کے آخری بادشاہ تک تمام ملوک و سلاطین کی تکفیر ہے، اور یہی موصوف کا اختراعی نظریہ ہے

،اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ملوکیت کا فی نفسہ مذموم ہونا نصوص قرآن وسنت سے ہرگز ثابت نہیں، بلکہ ادلہ شرعیہ اس بات پہ دال ہیں کہ ملوکیت فی نفسہ مذموم نہیں۔خود قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۚ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (سورہ المومن آیت نمبر 16)

ترجمہ:۔جس دن وہ بالکل ظاہر ہو جائیں گے۔ان کے حال میں سے کوئی چیز اللہ پر پوشیدہ نہیں ہوگی۔آج کس کی بادشاہی ہے؟ ایک اللہ کی جو سب پر غالب ہے

وَاللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ

خدا وہی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اصلی حاکم اور مالک وہی ہے ہر عیب سے منزہ

ایسے هی ارشادهے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۗ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ۗ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا

ترجمہ:۔اپنے ایک پیغمبر سے بولے ہمارے لیے کھڑا کردو ایک بادشاہ کہ ہم خدا

کی راہ میں لڑیں نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے مگر ان میں کے تھوڑے اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے

ایسے ہی ارشاد فرمایا:۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ

اور قتل کیا داود نے جالوت کو اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت عطا فرمائی

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ

عرض کی اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو

ان آیات سے واضح ہوا کہ اگر ملوکیت کفر ہوتی تو یقینا انبیاء کو ہرگز عطا نہ کی جاتی اس لئے ہزاروی صاحب کا اسے کفر کہنا انتہائی جسارت ہے اور جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لیکر سلطنت عثمانیہ کے آخری بادشاہ تک کی تکفیر کے مترادف ہے ۔حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کے گستاخانہ عقائد کے متعلق محمد علی نقشبندی لکھتے ہیں:۔

لیکن خود محدث ہزاروی کی تحریرات ہمارے پاس موجود ہیں۔جن میں اس نے امیر معاویہ کو کافر، مرتد، زندیق اور منافق ایسے الفاظ سے لکھا ہے (دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ج2 ص312)

قاضی غلام محمود ہزاروی صاحب موصوف کا کلام بطور اعتراض یوں نقل کرتے ہیں:۔
معاویہ نے چونکہ خلیفہ راشد حضرت علی مرتضیٰ سے بغاوت کی تھی۔اس لیے وہ مرتد ہو گیا (معاذ اللہ، نقل کفر کفر نہ باشد) اب اس کو صحابی، امیر یا مسلمان کہنا جائز نہیں ،اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر کافر ہے (مولوی محمود شاہ ساکن حویلیاں کی یہ بات مدرسہ رحمانیہ ہری پور میں ٹیپ شدہ موجود ہے۔جو صاحب چاہے سن سکتا ہے)(فضائل سیدنا معاویہ ص21)

صحابہ کی گستاخی

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔
تو غیر سید سیدہ کا کفو ہونا کیونکر متصور ہو تو کسی شقی القلب سے جائز ناحق کہنا رسول اور آل رسول کی خبیث گالی ہے اور بدتر گستاخی و بے ادبی وادر بے مذہبی ہے ۔ایسے باغی و گستاخ چاہے خیر القرون اور صحابہ کے پاک زمرہ میں گھسے چھپے ہوں (السیف المسلول ص86)

موصوف کی یہ عبارت ان کے اندر کے روگ کو واضح کر رہی ہے، ایسا کہنا کہ صحابہ کے زمرہ میں باغی و گستاخ لوگ تھے درست نہیں۔بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سیدھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہ تبرا ہے بلکہ موصوف نے ہر شخص پہ گستاخی کا فتویٰ لگایا ہے جو غیر سید کو چند شرائط کے ساتھ بھی سیدہ کا کفو تسلیم کرتا ہے۔

اقرار معصومیت

موصوف لکھتے ہیں:۔

عصمت نبوت کا ثمرہ اہل بیت اطہار میں تطہیر ہے لہذا ان سے غیر کو قیاس کرنا ہی ناروا ہے (السیف المسلول ص43)

اس عبارت میں مصنف کی جانب سے اہل بیت کو آیت تطہیر کی روشنی میں معصوم ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے، جب کہ موصوف کا یہ استدلال درست نہیں۔علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں آپ کی ازواج بھی شامل ہیں جس کا بیان فضائل اہل بیت میں آئے گا اور وہ بالاتفاق معصوم نہیں یہی صورت بقیہ اہل بیت کی ہے۔رہا حضور علیہ السلام کا حضرت فاطمہ کو اپنا ٹکڑا اقرار دینا تو یہ قطعی طور پہ مجاز ہے جس سے معصومیت لازم نہیں آتی (الصواعق المحرقہ ص110)

پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیت تطہیر کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی بھی قسم کی بھی خطا کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ عفو تطہیر الہی میں داخل ہیں (تصفیۃ مابین سنی شیعہ ص46)

نیز فرماتے ہیں:۔

آیۃ تطہیر کا یہ مطلب نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور صدور خطاء ان سے ناممکن ہے (تصفیۃ مابین سنی وشیعہ ص54)

علامہ عطاء محمد بندیالوی لکھتے ہیں:۔

آپ نے یہ جملہ تحریر فرما کر جہاں شیعہ کے بعض عقائد باطلہ کا رد کیا ہے، وہاں اپنے اہل سنت متوسلین کو بھی بتانا چاہتے ہیں کہ اہل بیت کے متعلق یہ عقیدہ کسی شیعہ کا تو ہوسکتا ہے، مگر اہل سنت کا نہیں ہوسکتا اور پھر وہ بھی کسی چشتی قادری اور حنفی المسلک سنی کا! بہ سلسلہ خطاونسیان حضرت اعلیٰ گولڑوی کی محولہ بالا تصریح کے تحت اہل بیت نہ معصوم ہیں اور نہ یہ کہ ان سے خطاونسیان کا صدور ناممکن ہے (سیف العطاء ص216-217)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علی اور فاطمہ حسن اور حسین معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلفاء یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور انہیں حضرات اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔۔۔۔۔شیعہ فرقہ کا یہ استدلال غلط ہے (تفسیر مظہری ج9 ص252)

نیز لکھتے ہیں:۔

آیت عصمت پہ دلالت نہیں کرتی (تفسیر مظہری ج9 ص253)

مولانا نور بخش توکلی شیعہ مصنف کو مخاطب کر کے رقم طراز ہیں:۔

ہاں اس کے ہم مذہب علماء عصمت ثابت کرنے کے لئے کئی آئتیں پیش کرتے ہیں۔جن میں سے کسی سے عصمت ثابت نہیں ہوتی۔وہ دو آئتوں پہ بڑا زور دیتے ہیں ایک تو یہ آیہ تطہیر جس کا ذکر پہلے آچکا ہے (تحفہ شیعہ ج2 ص 397)

امام حلبی فرماتے ہیں:۔

رافضی اس بات پہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ معصوم تھیں جس کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے۔انما یرید اللہ۔۔الخ (سیرت حلبیہ ج6 ص532)

نیز لکھتے ہیں:۔

رافضیوں کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت یعنی گھر والوں کے ذیل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج بھی آتی ہیں۔اوران کے متعلق سب کا اس بات پہ اتفاق ہے کہ وہ معصوم یعنی گناہوں کے سرزد ہونے سے بری نہیں ہیں۔لہذا بقیہ اہل بیت کے متعلق بھی یہی عقیدہ ہے کہ وہ معصوم نہیں ہیں (سیرت حلبیہ ج6 ص533)

نعرہ تحقیق کا انکار

کچھ لوگوں نے اب نعرہ تحقیق نکالا ہے یہ غلط فہمی ہے بدفہمی ہے تحقیق کچھ نہیں وہ نعرہ تفسیق ہے (تقریر)

اس نعرہ کا انکار کرنے والے بھی اندر سے رافضی ہوتے ہیں،جس کی تائید ان حضرات کے دیگر عقائد سے ہوتی ہے،خیر اس نعرہ پہ تفصیلی گفتگو آئندہ اقرار کی زینت ہے۔سردست موصوف کے ہم زلف افراد کا رد کرتے ہوئے علامہ عطاء محمد بندیالوی لکھتے ہیں:۔

نعرہ تحقیق حق چار یار اور یہ نعرہ اہل سنت کی علامت تھی ۔لیکن مفتی مذکور یہ نعرہ لگانے سے منع کرتا ہے،جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہ باطن رافضی ہے،اور تقیہ کے طور پر بظاہر اہل سنت کہلاتا ہے۔مفتی مذکور کی منع نعرہ پہ دلیل یہ ہے کہ اس نعرہ

سے یہ لازم ہے کہ چار یار کے سوا کوئی صحابی حق پر نہیں۔اس جاہل مفتی کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تب لازم آتا۔جب اس نعرہ میں حصر کا کلمہ ہوتا۔مثلا یوں ہوتا کہ نہیں حق مگر چار یار، یا یہ ہوتا کہ حق پر صرف چار یار ہیں۔حالانکہ اس نعرہ میں حصر کا ایسا کوئی کلمہ نہیں۔علم اصول میں ہے کہ محض کسی کے ذکر سے، دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔اس نعرہ کا تو صرف یہ معنی ہے کہ چار یار حق پر ہیں،لہذا نعرہ تحقیق حق چار یار سے کوئی منافق رافضی ہی منع کرے گا(سیف العطاء ص142)

موصوف کے متعلق علامہ عطاء محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ایک غالی العقیدہ تحریر کنندہ نے تو ایسے نکاح کو نعوذ باللہ صریح حرام تک کہہ دیا ؛حالانکہ وہ خود کو محدث کہلاتا تھا۔اس رسالہ کا نام فقہ اسلامی کا اجتماعی فتویٰ ہے۔اس کی عبارت رفض کی بو محسوس ہوتی ہے(سیف العطاء ص270)

علامہ محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں:۔

جمہور علمائے اھل سنت والجماعت مغربی پاکستان کا متفقہ فتویٰ کے مصنف السیف المسلول محمود شاہ شیعہ رافضی تھے(دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ج 2 ص 481)

2۔ عبد القادر شاہ گیلانی

موصوف اس وقت پاکستان میں تفضیلی نظریات کے حامل افراد کے سرغنہ کی حثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔جناب کی ولادت 1935ء میں راولپنڈی میں ہوئی 1950، میں سلسلہ تدریس کا آغاز کیا، پھر 1978 میں برطانیہ میں منتقل ہو گئے۔موصوف محمود شاہ ہزاروی کے خلیفہ ہیں[1] اور انہی کے مشن کے ترجمان ہیں۔اہلسنت سے موصوف کے اعتزال کا سلسلہ بہت طویل ہے، ہم یہاں چند اہم باتوں کی جانب قارئین کی توجہ منعطف کرائے دیتے ہیں۔

حضرت فاطمہ کی ناراضگی

باغ فدک کے حوالہ سے شیعہ موقف کو مظبوط کرتے ہوئے ایک تقریر میں کہتے ہیں:۔
ان کو ورثے میں ملا ہوا باغ فدک وہ تھا جو خاتون جنت کو نہیں دیا گیا تھا اس پر انتہائی آزردگی ہوئی تھی۔۔(تقریر بحوالہ مسئلہ باغ فدک کی صراحت ص 187)

قارئین! موصوف کا یہ نظریہ شیعہ کو تقویت دیتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ اکابرین اہلسنت نے بھی ناراضگی کا ذکر کیا ہے مگر اس کا سبب کسی نے بھی باغ فدک نہ ملنے کو قرار نہیں دیا، قارئین! اس سلسلہ میں اہلسنت کے علماء نے دو موقف اختیار کئے ہیں، پہلا موقف یہ ہے کہ بخاری میں جن الفاظ میں ناراضگی کا ذکر ہے وہ ظن راوی ہے، یعنی راوی نے اپنا تاثر بیان کیا ہے یہ بات حضرت فاطمہ سے مروی نہیں۔شاہ تراب الحق قادری لکھتے ہیں:۔

---

[1] تذکرہ حکیم ملت محدث ہزاروی از ظاہر شاہ قادری صفحہ نمبر 519، سیرت محدث ہزاروی ص 360)

یہ بات قابل غور ہے کہ فوجدت یا فغضبت کے الفاظ نہ تو حضرت فاطمہ کے ہیں اور نہ ہی حضرت عائشہ صدیقہ کے بلکہ یہ بعد کے راویوں میں سے کسی کی قیاس آرائی ہے۔راوی نے ظاہر واقعہ سے جو نتیجہ اخذ کیا وہ اس نے بیان کر دیا۔راوی کا عادل اور ثقہ ہونا اپنی جگہ لیکن نتیجہ اخذ کرنا غلط فہمی پر مبنی ہے (فضائل صحابہ و اھل بیت ص227)

امام بیہقی فرماتے ہیں:۔

وقول الزهری فی قعود علی عن بیعة ابی بکر حتی توفیت فاطمة منقطع و حدیث ابی سعید فی مبایعته ایاہ حین بو یع بیعة العامة بعد السقیفة اصح((بهیقی شریف ج 6 ص 300،باب بیان مصرف اربعة اخماس الفی)

نیز لکھا:۔

والذی روی ان علیا لم یبایع ابا بکر ستة اشهر لیسمن قول عائشة انما من قول الزهری فادرجة بعض الراواة فی الحدیث عن عائشة فی قصة فاطمه (کتاب الاعتقاد ص180)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ الفاظ اماں عائشہ کے نہیں بلکہ زہری کے ہیں اور قابل قبول نہیں۔دوسری جانب اگر کسی نے ان الفاظ کو قبول کیا تو اس کی مختلف تاویلات کی گئی ہیں، جن میں پہلی یہ ہے کہ اس ناراضگی کو بشری تقاضہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔دوسری رائے یہ ہے اس معاملہ میں حضرت فاطمہ نے اجتہاد کیا اور

لانورث کی تاویل کرتی تھیں۔حضرت فاطمہ کے اجتہاد سے حضرت ابوبکر کا اجتہاد بہتر تھا وہ اپنے اجتہاد میں مخطی تھیں، اسی سبب سے کچھ رنجش یا ندامت ہوئی۔۔امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

فاطمہ کا غصہ اور آپ کی آزردگی باختیار وقصد نہ تھی بلکہ بتقاضائے بشریت وجبلت عنصری اور بشریت کے تقاضے اختیار وقصد سے باہر ہیں اور ممانعت اور نہی ان میں شامل نہیں (تائید اہل سنت ص 55)

علامہ نور بخش توکلی رقم طراز ہیں:۔

ہاں صحیح بخاری ہی میں بجائے غضبت کے وجدت بھی وارد ہے۔جس کے معنے غضب وغم وندامت کو شامل ہیں۔شاید قاضی صاحب نے وجدت کے معنی ندمت بتائے ہوں گے۔کیونکہ حضرت سیدہ نے جب باغ فدک میراث طلب کیا (تحفہ شیعہ ج2 ص270)

نیز فرماتے ہیں:۔

وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام سے جو کچھ وقوع میں آیا۔وہ از روئے اجتہاد تھا۔نہ کہ اغراض نفسانیہ اور مصالح دنیویہ کے لئے جیسا کہ بعض جہلاء خیال کرتے ہیں۔لہذا اگر ایک مصیب تھا۔تو دوسرا گو مخطی۔مگر ماجور اور طعن سے کوسوں دور تھا۔اہل سنت ایسے معاملات میں اس قسم کی تاویل سے بچتے ہیں کہ جس سے ایک طرف کی تنقیص شان لازم آئے اسی واسطے حضرت سیدہ کی آزردگی کو تقاضائے بشریت یا تاویل لانورث پہ محمول کرتے ہیں (تحفہ شیعہ ج2 ص 277)

قاری طیب نقشبندی فرماتے ہیں:۔

ایک بار مجھ سے ایک شیعہ ذاکر نے یہاں برطانیہ میں فون پر سوال کیا کہ کیا سیدہ فاطمہ کو دین کا علم نہ تھا، وہ کوئی ناحق مطالبہ کیسے کرسکتی تھیں؟ میں نے اسے کہا سیدہ فاطمہ کا سوال کرنا زیادہ سے زیادہ اجتہادی خطاء بنتا ہے (برھان التفسیر ج 7 ص 37)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:۔

جب حضرت فاطمہ نے ابوبکر کا جواب سنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان سن کر پتہ چلا کہ سوال درست نہ تھا، تو نادم ہوئیں یا غمگین ہوئیں کہ یہ فعل مجھ سے کیوں ہوا، (السیف المسلول ص 293)

ہمارے نزدیک یہ قول زہری کا ہے، اس لئے کہ جس سند سے بخاری شریف میں یہ الفاظ مروی ہیں صحیح ابوعوانہ میں اسی سند سے یہ روایت موجود ہے جس میں غضبت کے الفاظ موجود نہیں دوئم اس میں قال کے الفاظ زہری کے قول پہ دلالت کرتے ہیں، ایسے ہی بیعت نہ کرنے والی بات بھی امام زہری کا اپنا قول ہے، جیسا کہ وہاں الفاظ قال رجل للزھری موجود ہیں (مسند ابی عوانہ حدیث رقم 6679) جہاں تک شعبی کا اثر ہے جس میں ناراضگی اور بعدازاں رضامندی کا تذکرہ ہے۔ تو اول اس کی اسنادی حیثیت زیر بحث ہے دوئم اگر اسے قبول کرلیا جائے تو پھر دوسری تاویل راجح ہوگی کہ ازروئے بشریت وقتی ناراضگی تھی، اگر اس ناراضگی کا تعلق باغ فدک کے غاصبانہ قبضے سے ہوتا ہے تو یہ رضامندی میں کبھی تبدیل نہ ہوتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باغ فدک ہبہ کر دیا تھا

ایسے ہی جناب کہتے ہیں:۔

کچھ لوگ باغ فدک پر اعتراض کر رہے ہیں، میرا پہلا مناظرہ شیعہ سے اسی بات پر ہوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ باغ فدک نہ دینا غاصبانہ اقدام ہے، میں نے کہا: تمہارا عقیدہ اہل بیت کے عقیدہ سے متصادم ہے، اگرچہ امام سیوطی نے وات زالقربی کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ کو دے دیا لیکن خبر واحد تھی (مسئلہ باغ فدک کی صراحت ص187-188).

یہ بھی شیعی موقف ہے، محمد حیدر شیعی لکھتے ہیں:۔

عموما علمائے امامیہ یہ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدۃ النساء نے فدک کے متعلق دو دعوے کئے تھے اول یہ کہ پیغمبر خدا صلعم نے فدک اونھیں ہبہ کر دیا تھا اور اس پر متصرف اور قابض تھیں (کشف الظلمات، حصہ رابعہ ص13)

یہ کتاب آیات بینات کے جواب میں معرض وجود میں آئی ہے، اس میں واضح طور پہ امامیہ کا موقف درج ہے کہ ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باغ فدک حضرت فاطمہ کو ہبہ کر دیا تھا، جب کہ اہل سنت اس کے قائل نہیں۔ حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

مصنف کی طرح تمام شیعہ یہی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک حضرت فاطمہ الزہرا کو ہبہ کر دیا تھا (تحفہ شیعہ ج2 ص230)

نیز لکھتے ہیں:۔

مصنف نے یہاں دعویٰ ارث کو دعویٰ ہبہ کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔ اہل سنت کی کسی معتبر روایت سے دعویٰ ہبہ اور شہادت کا ثبوت نہیں ملتا (تحفہ شیعہ ج 2 ص 270)

علامہ عینی فرماتے ہیں:۔

قلت: هذا لا اصل له ولا يثبت به رواية انها ادعت ذلك، وانما هو امر مفتعل لا يثبت (عمدۃ القاری ج 15 ص 28)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

فهواذا حديث منكر، والاشبه انه من وضع الرافضة، والله اعلم (تفسیر ابن کثیر ج 7 ص 484)

مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ باغ فدک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ زہرا کو دے دیا تھا، یہ رافضیوں کا افترا ہے جس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ یعنی اہل سنت کی معتبر کتابوں سے باغ فدک کا دینا ثابت نہیں بلکہ ہماری کتابوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت سیدہ کو باغ فدک نہ دینا ثابت ہے (باغ فدک اور حدیث قرطاس ص 8)

حضرت علامہ عبدالعزیز محدث دہلوی رقم طراز ہیں:۔

شیعہ علماء کی ایک جماعت بڑی سعی و کوشش سے اہل سنت کی تفاسیر اور سیرت کی ان کتابوں میں جو علماء اور طلباء میں بہت کم مشہور و معروف ہوں۔ یا نادر الوجود

ہوں، ایسی جھوٹی باتیں ملا دیتے ہیں۔ جو شیعہ مذہب کی تائید اور اہل سنت مذہب کی تردید کرتی ہوں۔ چنانچہ باغ فدک کے ہبہ کا قصہ بعض تفاسیر میں داخل کر دیا ہے اس کی روایت یوں بیان کی کہ جب آیت وات ذالقربیٰ حقہ (اور دیجئے اقربا کو ان کا حصہ) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو بلا کر فدک دے دیا لیکن جھوٹے کا حافظہ کہاں ہوتا ہے ان کو یہ یاد نہ رہا کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں؟ (تحفہ اثناء عشریہ ص 66-67)

حضرت علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:۔

علماء شیعہ کہتے ہیں کہ فدک کا علاقہ حضرت فاطمہ کا حق تھا جو حضرت ابوبکر نے ان کو نہیں دیا۔۔۔۔۔ کبھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں حضرت فاطمہ کو فدک ہبہ کر دیا تھا۔۔۔ علماء اہل سنت کے نزدیک یہ ثابت نہیں کہ حضرت فاطمہ نے ہبہ کا دعویٰ کیا تھا (شرح صحیح مسلم ج 5 ص 388-389)

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ ہبہ کا دعویٰ رافضیت کا ہے، اہل سنت ہرگز اس کے قائل نہیں۔

آیت تطہیر میں ازواج داخل نہیں

آیت تطہیر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اہلبیت سب ازواج مطہرات وہ مراد نہیں ہیں۔۔۔۔ جیسے یہ اہل بیت ہو کر تطہیر میں داخل نہیں ویسے ہی باقی بھی داخل نہیں ہیں (نعرہ حیدری ص 12-13)

یہ عقیدہ بھی اہل تشیع کی ترجمانی ہے، اگر کوئی روایت ایسی ملتی بھی ہے تو وہ جمہور کے

بالمقابل شاذ و مردود ہے، حجت نہیں۔امام ابوالمنصور ماتریدی فرماتے ہیں:۔

قال بعضهم: ان هذه الاية مقطوعة عن الاولى: لان الاولى فى ازواج رسول الله ﷺ و هذه فى اهل بيته، وهو قول الروافض، ويستدلون بقطعها عن الاولى (تاويلات اهل السنة ج 9 ص 382)

بیضاوی میں ہے:۔

و تخصيص الشيعة اهل البيت بفاطمة و على ابنهما رضى الله عنهم (تفسير بيضاوى ص 557)

علامہ قونوی فرماتے ہیں:۔

اى تخصيص الشيعة من اهل البيت بمن ذكر فى الحديث فقط واخراج سائر ازواج النبى من كونهن اهل البيت لا يناسب ما قبل هذا لآية وما بعد هافان ماقبل الآية وما بعد ها واردان على خطاب ازواج النبى ﷺ عموما فيسا ق الاية وسباقها يدلان على ان سائر ازواج النبى ﷺ من اهل البيت (حاشيه القونوى ج 15 ص 357)

صاحب تفسیر مظہری رقم طراز ہیں:۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں (تفسیر مظہری ج 9 ص 253)

تفسیر جلالین میں ہے:۔

اھل البیت (ای نساء النبی)(کمالین شرح جلالین ج 5ص129)

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت میں آپ کی ازواج بھی شامل ہیں جس کا بیان فضائل اہل بیت میں آئے گا اور وہ بالاتفاق معصوم نہیں یہی صورت بقیہ اہل بیت کی ہے۔رہا حضور علیہ السلام کا حضرت فاطمہ کو اپنا ٹکڑا قرار دینا تو یہ قطعی طور پہ مجاز ہے جس سے معصومیت لازم نہیں آتی (الصواعق المحرقہ ص110)

ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:۔

پس ازواج مطہرات اہل بیت میں شامل ہیں، انہیں اہل بیت سے خارج کرنا ہرگز جائز نہیں (قرابۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ص29)

تاجدار گولڑہ ولی کامل حضرت سیّدنا و مرشدنا پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

آیۂ تطہیر میں لفظ اہل بیت امہات المؤمنین علیہا الرضوان و آل عبا علیہم السلام دونوں کو شامل ہے سیاق آیۃ و احادیث کثیرہ اسی پر دال ہیں۔(مکتوبات طیّبات معرف بمہریہ چشتیہ صفحہ نمبر263)

امام قرطبی لکھتے ہیں:۔

آیت تقاضا کرتی ہے کہ بیویاں اہل بیت سے ہیں، کیونکہ انہیں کے متعلق

ہے۔اور ان کو یہی خطاب کیا جارہا ہے۔اس پر سیاق کلام بھی دلالت کرتا ہے
(تفسیر قرطبی ج7 ص565)

تفسیر مدارک میں ہے:۔

اسمین دلیل ہے کہ آپ کی ازواج آپ کی اہل بیت سے ہیں (تفسیر مدارک ج3
148)

سید محمد مدنی اشرفی جلانی لکھتے ہیں:۔

نبی کریم کی قولی اور عملی تفسیر نے ظاہر فرمادیا، کہ آیت کریمہ میں مذکور لفظ اہل بیت سے ازواج مطہرات تو مراد ہیں ہی، لیکن ان کے ساتھ ساتھ آل عباء یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین اور ان کی آل و اولاد بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے (تفسیر اشرفی ج8 ص13)

تفسیر بحر المحیط میں ہے:۔

فلا تخرج الزوجات عن اهل البيت ،بل يظهر انهن احق بهذا الاسم (تفسیر بحر المحیط ج7 ص224)

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوگیا کہ سیاق وسباق اس بات پہ دال ہے کہ یہاں مراد ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما ہیں اور آل عباء کا شامل ہونا روایت کی بنیاد پہ ہے اور جو اس کا انکار کرے اور آل عباء سے تخصیص کرے وہ شیعہ ہے جیسا کہ امام ابو المنصور ماتریدی ،امام بیضاوی اور امام قونوی نے رقم کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہ سب و شتم کا الزام

موصوف اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں:۔

جناب امیر معاویہ کا جو سلسلہ ہے تبرابازی کا اس کا نام کوئی شرائط صلح طے کرنا ہے نہ کوئی اصلاح کرنا نہ اپنا موقف بیان کرنا ہے بلکہ سن 40 میں آپ نے تبرا شروع کیا جو لگاتار صدی کے خاتمے تک جاری رہا (تقریر)

قارئین! یہ اعتراض بھی شیعہ حضرات کی جانب سے کیا جاتا ہے، خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے حضرت علی یا دیگر اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین سے دشمنی کی انہیں سب وشتم کرتے یا کراتے تھے۔ سراسر غلط، ضلالت اور جہالت پر مبنی ہے۔ جو نضر بن مزاحم، یونس بن خباب اور مرحوب وغیرہم جیسے رافضیوں کی روایات پر مبنی ہے (فضائل حضرت امیر معاویہ ص42)

اس حوالہ سے واضح ہوا جو یہ کہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گالیاں دیا کرتے تھے، یہ سراسر ضلالت ہے۔

صحابہ کرام کی گستاخیاں

یزید کے دور حکومت میں دھونس دھکے کے ذریعے لوگوں کو مار پیٹ کے اور پیسے دے کر۔۔۔۔۔ جو نصیحتیں کرتے تھے امام حسین کربلا میں نہ جائیں ہر ایک نے ایک ایک لاکھ درہم لیا ہوا تھا۔ یہ نہیں بتاتے تھے ہم نے پیسے لئے ہوئے ہیں کہتے تھے تم نہ جاؤ۔ ان کی ڈیوٹی نہیں تھی؟ دوش رسول کا شہسوار ہے خطرہ قبول کرتا ہے

ساتھ خطرہ قبول کرو (تقریر)

ایسے ہی کہتے ہیں:۔

اب نعروں کے ذریعے پلا برابر کرتے ہو۔نہیں،علی کی شجاعت لاؤ تو پھر علی کے برابر نعرے لاؤ (تقریر)

ہم انہی پہ اکتفاء کرتے ہیں مزید گستاخیاں پڑھنے کے لئے حضرت علامہ مولانا فدا حسین رضوی دامت برتہم کی کتاب حق چار یار ملاحظہ کریں۔بہر حال اب گستاخ صحابی کے متعلق اکابرین امت کا فیصلہ بھی سماعت کریں۔سید ابوالحسین نور مارہرویؒ رقم طراز ہیں:۔

یہ سب صاحب اور باقی تمام صحابہ سب بڑے رتبے والے تھے،ان میں سے کسی پر طعن کرنا اپنے دین کی شامت لگانا ہے (دلیل الیقین ص 501)

امام اہلسنت نے بھی کسی بھی صحابی پہ طعن کو رافضیت سے تعبیر کیا ہے (امور عشرین ،فتاویٰ رضویہ)

نظریہ تفضیل

جناب لکھتے ہیں:۔

فقیر کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت بحیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے (زبدۃ التحقیق ص 199)

اس جگہ جناب شاہ صاحب نے افضلیت کو خلافت کی جانب پھیرا،اور یہی تفضیلیت ہے۔امام اہلسنت لکھتے ہیں:۔

اس حسین عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ سابقین کی پیروی کی اور اس میں اس زمانے کے تفضیلیوں کا رد ہے جو جھوٹ اور بہتان کے بل پر سنی ہونے کے مدعی ہیں اس لئے کہ انہوں نے فضیلت میں ترتیب کے مسئلے کو (ظاہر سے) اس طرف پھیرا کہ خلافت میں اولیت (خلافت میں زیادہ حقدار ہونے کا) کا معنی دنیوی خلافت کا زیادہ حقدار ہونا، اور یہ اس کے لئے ہے جو شہروں کے انتظام اور لشکر سازی، اور اس کے علاوہ دوسرے امور جن کے انتظام و انصرام کی سلطنت میں حاجت ہوتی ہے ان کا زیادہ جاننے والا ہو۔ اور یہ باطل خبیث قول ہے۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کے خلاف ہے (المعتمد المستند ص 286)

مفتی اعظم پاکستان مفتی منیب الرحمٰن لکھتے ہیں:۔

اور اس طرح یہ قول کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ کے سیاسی خلیفہ بلافصل ہیں اور حضرت علی روحانی خلیفہ بلافصل ہیں، اہلسنت و جماعت کے جمہور کے خلاف ہے۔ اسی لیے اس طرح کے قول سے بچنا لازم ہے کہ اس طرح کے اقوال ہی تفضیلیت کی بنیاد بنتے ہیں (اصلاح عقائد واعمال ص38)

اکابر امت پہ فتوے اور عقیدہ تفضیل کی قطعیت

موصوف کی کتاب میں ہے:۔

افضلیت مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرین ہند کی اختراعات ہیں۔ انکا سنیت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں (زبدۃ التحقیق ص20)

ایسے ہی موجود ہے:۔

جن جن حضرات نے افضلیت کو قطعی واجماعی قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے انہوں نے اسلاف کی خلاف ورزی فرمائی ہے (زبدۃ التحقیق ص 28)

نیز جناب لکھتے ہیں:۔

افضلیت مطلقہ کا عقیدہ سنیت کے خلاف ہے اور اجماع صحابہ کے بھی خلاف ہے (زبدۃ التحقیق ص 201)

یونہی رقم طراز ہیں:۔

افضلیت ابو بکر صدیق کا واجب ہونا ضرور بدعت ہے (زبدۃ التحقیق ص 217)

نیز لکھا:۔

لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو بغض علی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے انہوں نے اس ماحول کو غنیمت جانا اور سوچا کہ حضرت ابوبکر صدیق کی ذات پاک کی آڑ لے کر بغض علی کی آگ مزید بڑھکایا جائے۔ چنانچہ مسئلہ تفضیل پر اجماع امت کا ایسا پر تشدد دعوی کر دیا کہ اختلافی رائے رکھنے والوں کو خارج اہلسنت اور گمراہ قرار دیا (زبدۃ التحقیق ص 12)۔

موصوف کے نزدیک جو حضرت ابوبکر کی افضلیت کو اجماعی وقطعی تسلیم کرتا ہے وہ اہلسنت سے خارج، بغض علی کا مریض اور اجماع صحابہ کا مخالف ہے۔ جب کہ اکابرین اہلسنت کا یہی نظریہ ہے۔ صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی نعیم الدین

مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے کہ انبیاء کرام کے بعد تمام عالم افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ہیں ان کے بعد حضرت عمر ان کے بعد حضرت عثمان اوران کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (سوانح کربلا ص 83)

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں:۔

اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جس امر پر علمائے امت اور عظمائے ملت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس امت کے افضل ترین آدمی ہیں (الصواعق المحرقہ ص 153)

ایسے ہی فرماتے ہیں:۔

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ میں سے سب سے افضل حضرت ابوبکر ،حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ہیں (الصواعق المحرقہ ص 490)

اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد دین وملت، پروانہ شمع رسالت، حضرت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خانؒ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"(حضرت سیدنا صدیق وعمر کی افضلیت پر) جب اجماع قطعی ہوا تو اس کے مفاد یعنی تفضیل شیخین کی قطعیت میں کیا کلام رہا؟ ہمارا اور ہمارے مشائخ طریقت وشریعت کا یہی مذہب ہے۔" (مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین، ص ۱۸)

مولانا محمد ہاشم ٹھٹھوی امام ابوالحسن اشعری کے حوالہ سے رقم فرماتے ہیں:۔

خلفاء اربعہ کی افضلیت اہلسنت و جماعت کی ترتیب معروف کے مطابق قطعی ہے

(الطریقۃ المحمدیہ ص109)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

بیان اجماع صحابہ وتابعین بدآنکہ افضل امت ابوبکر صدیق است

ترجمہ:۔حضرت ابوبکر صدیق کے افضل امت ہونے پہ اجماع کا بیان (قرۃ العینین ص26)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

جاننا چاہئے اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں سے افضل ابوبکر صدیق ہیں اور پھر حضرت عمر فاروق یہ افضلیت شیخین کتاب وسنت اجماع امت ،عقلی دلائل ،آثار صحابہ و تابعین و ائمہ سے ثابت ہیں (السیف المسلول ص400)

مزید رقم طراز ہیں:۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے روز صحابہ کرام کے سامنے ابو بکر کی افضلیت بیان فرماتے رہے کسی نے انکار نہ کیا،یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام کا اس پر اجماع تھا(السیف المسلول ص419)

نیز:۔

اپنی خلافت کے زمانہ میں متعدد مجالس میں حضرت علی نے افضلیت شیخین بیان فرمائی ،اس مسئلہ میں جولوگ فاسد ظن رکھتے تھے انہیں تنبیہ کی ۔۔۔۔۔ذہبی فرماتے ہیں اسی سے زائد اشخاص حضرت علی سے شیخین کی افضیلت

بترتیب روایت کرتے ہیں انتہی (السیف المسلول ص420)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں:۔

اجتمع المهاجرون والانصار على ان خير هذه الامة بعد نبيها ابو بكر و عمر و عثمان

تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور عمر اور عثمان (مرقاۃ ج11 ص334)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ھیں:۔

فهو افضل الاولياء من الاولين والاخرين وقد حكى الاجماع على ذلك

یعنی صدیق اکبر اولین و آخرین تمام اولیاء سے افضل ہیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے (شرح فقہ اکبر ص61)

امام نووی فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب صحابہ کرام علیہم الرضوان سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق پھر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم ہیں۔'' (شرح صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، ج۸، الجزء:۱۵، ص۱۴۸)

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:۔

''اہل سنت و جماعت کے درمیان اس بات پر اجماع ہے کہ خلفاء راشدین میں فضیلت اسی ترتیب سے ہے جس ترتیب سے خلافت ہے (یعنی حضرت سیدنا ابوبکر

صدیق سب سے افضل ہیں کہ وہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اس کے بعد حضرت سیدنا عمر فاروق، اس کے بعد حضرت سیدنا عثمان غنی، اس کے بعد حضرت سیدنا علی المرتضی شیر خدا رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ)۔" (فتح الباری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب لوکنت متخذا خلیلا، تحت الحدیث: ۳۶۷۸، ج۷، ص ۹۲)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ابوبکر اور عمر کی افضلیت پر صحابہ کا اجماع ہے (الاعتقاد ص 369)

میر عبدالواحد بلگرامی فرماتے ہیں:۔

اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام انسانوں میں افضل ابوبکر صدیق، ان کے بعد عمر فاروق ان کے بعد عثمان ذوالنورین، اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں (سبع سنابل ص 7)

ابوالحسین نوری لکھتے ہیں:۔

اور اسی سے بہ خوبی ثابت ہوا کہ اکثریت ثواب عند اللہ اور قرب رب الارباب اور ولایت اور معرفت میں بھی صدیق اور فاروق کا مرتبہ زیادہ ہے، اس واسطے کہ مصداق افضیلیت کہ مسئلہ یقینی اجماعی ہے، بغیر اس کے تسلیم کے ممکن نہیں۔ (دلیل الیقین ص 503)

نعرہ تحقیق کا انکار

موصوف نعرہ تحقیق کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ہمارے زمرے کے علماء کرام نے اپنا پلہ برابر کرنے کے لئے نعرہ خلافت کی جگہ

نعرہ تحقیق کا اجتہاد کیا مگر جواب میں دوسروں کے مقلد ہی رہے، اور جواب میں حق چار یار ہی کہا۔ اگر جواب میں حق پانچ یار کہہ دیتے تو حضرت امام حسن کی خلافت کو بھی تحفظ مل جاتا اور منکرین امام حسن کی تردید بھی ہوجاتی۔ یا اس سے زیادہ وسیع مفہوم کا نعرہ حق سب یار لگا دیتے تو سنیت کی اعتقادی حیثیت بھی واضح ہوجاتی اور اغیار کی تقلید سے بھی دامن پاک رہتا (زبدۃ التحقیق ص128)

نیز لکھتے ہیں:۔

اگر خلفائے راشدین کا احساس کر کے خلافت راشدہ کے نعرے لگانے تھے تو حق پنج یار کہنا چاہئے تھا اور اگر منکرین صحابہ کی سرکوبی کے لئے نعرے لگانے تھے تو انہیں حق سب یار کا نعرہ لگانا چاہئے تھا تا کہ جو لوگ صحابہ کے منکر ہیں ان کی بھی تردید ہوجاتی۔ مگر موجودہ نعرہ (حق چار یار) میں بغض اہل بیت کی بو آتی ہے یا بغض صحابہ کی (زبدۃ التحقیق ص129)

قارئین! اصل میں نعرہ تحقیق کی ممانعت کے پیچھے بھی وہی عقیدہ کارفرما ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر چکے۔ علامہ عبدالرزاق بھترالوی رقم طراز ہیں:۔

آج کل رافضیوں کا تفضیلی فرقہ ایک انوکھی منطق پیش کر رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کو صرف خلافت میں اولیت حاصل ہے، شان میں حضرت علی سب صحابہ سے افضل ہیں۔ یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے۔ اس اپنے قول کو عملی جامہ پہنانے کیلئے نعرہ تحقیق سے کبھی مکمل روکا جاتا ہے کبھی کوئی یوں کہتا ہے کہ نعرہ تحقیق کے جواب میں حق چار یار نہ کہا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تین اصحاب

خلفاء راشدین کی شان کو کم کرنے کی ناپاک جسارت ہے (نجوم التحقیق ص355)

عبد القادر شاہ صاحب کی طرف سے کئے جانے والے دونوں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حق چار یار کا مطلب چار خلفاء راشدین سب سے افضل ہیں، وہ بھی ترتیب وار۔اسی سے ضمنی طور پر بالتبع ان کی خلافت بالترتیب کے حق ہونے کا بھی حق ادا ہوجاتا ہے اور رافضیوں کے حضرت علی کو خلیفہ بلافصل کا بھی رد ہوجاتا ہے ۔حضرت امام حسن کی خلافت کے حق ہونے کا تو انکار نہیں، لیکن اصطلاحی طور پر ان پر یار ہونے کا استعمال نہیں، بلکہ ولد رسول اور نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان پر اطلاق ہے۔سب صحابہ کے حق ہونے یعنی کسی کے صحابی ہونے کا تو اہل سنت کو تو کوئی انکار نہیں لیکن سب صحابہ کا ایک درجہ ثابت نہیں کیا۔رافضیوں کا یہ کہنا کہ نعرہ تحقیق کا جواب حق سب یار کہا جائے، کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ وہ بھی تو سب صحابہ کو برابر نہیں سمجھتے بلکہ حق سب یار کہو اور ادھر حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوسفیان کی شان کو نہیں مانتے تو کس منہ سے اہل سنت کو عقیدہ حقہ سے پھیرنے کیلئے مشورہ دیتے ہیں کہ حق سب یار کہو (نجوم التحقیق ص360)

سید محمود احمد رضوی لکھتے ہیں:۔

رافضی عدد چار کی صرف اس لئے دشمنی کرتے ہیں کہ اہل سنت چار خلفاء کرام مانتے ہیں۔یہ انکی کیسی گندی جہالت ہے۔۔۔اور چار سے ان کو اتنی نفرت ہے کہ اگر روٹی کے چار ٹکڑے کر دیئے جائیں تو یہ روٹی نہیں کھاتے اور اگر تین ٹکڑے

کریں تو اس کو ناپسند نہیں کرتے تو اس سے پتہ چلا کہ تین میں جب چوتھا شامل ہوا تو نفرت آئی تو یہ نفرت حقیقت میں تین سے نہ ہوئی بلکہ خاص چوتھے سے نفرت ہوئی۔تو یہ ان کا مذہب خاص ناصبیوں کا ہے، چار یار کی مخالفت کی وجہ سے ان کی عقل پر پردے آگئے ہیں اور اس بے عقلی میں جناب سیدنا علی المرتضیٰ کی مخالفت بھی کر بیٹھے ہیں (شان صحابہ ص19)

نکاح ام کلثوم کا انکار

موصوف بھی اپنے پیر کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے نکاح ام کلثوم کا انکار کیا اور انتہائی بدتمیزانہ رویہ اختیار کیا ملاحظہ ہو

(Kiya Syeda Umm-e-Kalsoom Ka Nikah Hazrat Umar Say Sabit Hai)

اس نکاح کے حوالہ سے تفصیلی گفتگو اوراق سابقہ کی زینت ہے۔جو انداز موصوف کے پیر صاحب نے اختیار کیا ہے وہی انداز جناب نے اختیار کیا، ذیل میں ہم ان حضرات کے حوالہ جات عرض کرتے ہیں، جن کی تعریف موصوف کے قلم سے زبدۃ التحقیق کے اوراق پہ رقم ہے۔موصوف شیخ محقق کے متعلق لکھتے ہیں:۔

شاہ عبدالحق جو سرزمین ہند میں صحرائے فکر کا پہلا صحرا نورد لگتا ہے (زبدۃ التحقیق ص 352)

نیز:۔

مگر شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق قادری موسوی محدث دہلوی بڑے حاکمانی طور پہ ایک عارضہ برائے عدم احتجاج پیش فرماتے ہیں (زبدۃ التحقیق ص353)

اب یہ شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رقم طراز ہیں:۔

اور سیدہ ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب کی زوجیت میں آئیں اور ان کی اولاد باقی نہ رہی (مدارج النبوۃ ج2 ص542)

3۔ مفتی محمد خان قادری

مفتی محمد خان قادری پاکستان بننے کے دوسال بعد 1949ء میں ضلع نارووال کے سرحدی علاقے بیریاں کلاں میں پیدا ہوئے۔۔بھکی شریف میں شرح جامی تک پڑھا اور پھر جامعہ نظامیہ رضویہ میں علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور مولانا محمد اشرف سیالوی سے حدیث شریف اور دیگر منتہی علوم حاصل کئے۔آپ 1983ء میں سید طاہر علاؤالدین الگیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیعت ہوئے۔16 مارچ 2020ء کو وفات پاگئے۔تفضیلیت پھیلانے میں موصوف نے کافی کردار ادا کیا، یوں تو موصوف نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کوئی ایسی تحریر صفحہ قرطاس کی زینت نہ بننے دی اجس سے جناب کا حقیقی روپ عوام کے سامنے عیاں ہوجاتا۔لیکن پھر بھی مفتی صاحب نے اس قسم کی تحریروں کی خوب سرپرستی کی ۔جس کی بدولت سنیت کا لبادہ چاک ہوکران کے اندر موجود رفض کی نشاندہی کئے دیتا ہے۔صابر شاہ گیلانی لکھتے ہیں:۔

علاوہ ازیں جن سادات عظام اور علمائے کرام نے تعاون فرمایا ،ان میں ۔۔۔قاری محمد خان قادری۔۔۔۔کے علاوہ بہت سے علماء ومشائخ اہل سنت شامل ہیں جو کتاب کی تصنیف کے دوران اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے (زبدۃ التحقیق ص15)

ایسے موصوف نے شرح خصائص علی مصنف ظہور فیضی صاحب کی مکمل سرپرستی فرمائی، جس کی مکمل داستان جناب ظہور احمد فیضی صاحب نے کچھ یوں بیان کی ہے:۔

ماہنامہ سوئے حجاز میں ایسا مواد متوقع ہے مگر تادم تحریر اس کے شمارے ہمیں دستیاب نہ ہوسکے۔

شرح خصائص علی کی اشاعت اولیٰ کے بعد بعض حقائق ناشناس لوگوں کی وجہ سے مجھ پر گونا گو مشکلات آپڑیں جو تاحال جاری ہیں۔۔ایسے مشکل حالات میں کچھ حضرات نے کسی قسم کے سابقہ تعارف کے بغیر محض حب اہل بیت کے جذبہ صادقہ کے ساتھ مجھ عاجز کو مسلسل تعاون کا یقین دلایا اور مجھے تنہائی کے بھیانک تصور سے باہر نکالا۔یہ ناکارہ ان سب کا اور شرح خصائص علی کے مقرظین ومبصرین کا تہہ دل سے شاکر وممنون ہے۔بالخصوص محقق العصر حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری،علامہ خلیل الرحمان خان قادری دامت برکاتہم اور جملہ ارباب جامعہ اسلامیہ لاہور کا شکریہ ادا کرنا خود پر فرض سمجھتا ہوں، کیونکہ یہ حضرات اس وقت میرے معاون ومددگار بنے جو میری شعوری زندگی کا مشکل ترین مرحلہ ہے (لطافت جسد مصطفیٰ ص20)

اور قاری ظہور کے نظریات خالصتا رافضیت کے ترجمان ہیں، جیسا کہ آئندہ اوراق پہ ہم نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔سر دست ہمیں یہی شواھد دستیاب ہوسکے انہی کا ہم نے تذکرہ کر دیا ہے۔اللہ رب العزت نے چاہا تو جلد دوئم میں تفصیل عرض کر دی جائے گی۔

4۔ قاری ظہور احمد فیضی

موصوف اس وقت رافضیت کے آلہ کار و لے پالک ہیں۔ پہلے خان قادری صاحب کے ٹکڑوں پہ پلنے کا شرف حاصل کیا۔ اب انور شاہ صاحب سے مال بٹورنے میں مصروف ہیں۔ جناب کی بذات خود کوئی ایسی حیثیت نہیں کہ ان پہ کلام کیا جائے اور ان کی رافضیت بھی عیاں ہے، لیکن مقصد ان کے سرپرست صاحبان کی رافضیت کا پول کھولنا ہے، اس لئے ہم اختصار کے ساتھ جناب کے نظریات پہ تبصرہ رقم کرتے ہیں، ضرورت محسوس ہوئی تو اگلی جلدوں میں مزید تفصیل عرض کریں گے۔

عقیدہ تفضیل

موصوف کہتے ہیں:۔

اس عاجز کی دانست کے مطابق نبوت کے علاوہ اس حدیث میں سیدنا علی کے لیے ہر فضیلت موجود ہے، حتیٰ کہ بالقوۃ خلیفہ بلافصل ہونے کی اہلیت بھی۔ (اس کی دلیل آئندہ صفحات میں آئے گی، ان شاء اللہ) کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے صرف نبوت کا استثناء فرمایا ہے اور نبوت کے علاوہ جو کوئی فضیلت متصور ہوسکتی ہے اس کی نفی نہیں فرمائی۔ نیز یہ عظمت اور اہلیت سیدنا علی کو دائمی طور پر عطا کردی گئی اور نبی کریم کے غزوی تبوک سے لوٹنے کے بعد واپس نہیں لی گئی تھی (شرح خصائص علی ص 299، الطبع خامس، ص 265، طبع اول)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

اس سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب خلافت، تربیب اہلیت و افضلیت کو مستلزم نہیں ہے، بلکہ ترتیب خلافت میں خلفاء کرام کی وفات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے

۔ایک مرتبہ آپ پھر حدیث شریف کو بغور پڑھ لیجئے آپ کو حدیث شریف میں مذکور تینوں حضرات کی اہلیت خلافت پر دلالت کرنے والے الفاظ میں کوئی واضح تفاوت نظر نہیں آئے گا۔ بلکہ مولیٰ کی شان میں واردشدہ الفاظ میا خذ بکم الطریق المستقیم اور یقیمکم علی صراط مستقیم میں زیادہ وزن نظر آئے گا (شرح خصائص علی ص348، طبع خامس، ص317، طبع اول)

نیز:۔

اسلئے یہ کہنا بیجا نہیں ہوگا کہ جو ترتیب خلافت عملا واقع ہوئی وہ ترتیب افضلیت کو لازم نہیں۔ آسان الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ضروری نہیں کہ جو شخص بعد میں خلیفہ ہوا وہ پہلے والے سے مرتبہ میں کم تھا (شرح خصائص علی ص348)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

اور احادیث ہی کی رو سے بنو ہاشم پوری انسانیت سے (ماسوا انبیاء کرام علیہم السلام کے) افضل ہیں (شرح اسنی المطالب ص75)

مزید لکھا:۔

اور بنو ہاشم سے اہلبیت افضل ہیں۔ اس تصور کو مدنظر رکھتے ہوئے بتلائیے کہ احدھما اکبر من الاخر کا کیا مطلب ہے اور اگر اہل بیت (جس میں مولی علی بھی شامل ہیں) کی عظمت قرآن کریم کے برابر ہے تو پھر ہے کوئی جس کی ساری فضیلتیں اس فضیلت عظمیٰ کا مقابلہ کرسکیں (شرح اسنی المطالب ص75)

نیز:۔

جب یہ خاندان مطلقا روئے زمین کے تمام خاندانوں سے افضل ہے (شرح اسنی

المطالب ص72)

موصوف کی یہ ساری عبارات مسئلہ تفضیل کی نفی پہ دال ہیں، جبکہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے اور اس کا قائل بدعتی اور اہل سنت سے خارج ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب ان عبارات کی تاویل کی جانب متوجہ ہوں، ہم موصوف کا صریح بیان درج کئے دیتے ہیں، جناب لکھتے ہیں:۔

محب اللہ، محبوب اللہ، امام اولیاء، سید الاتقیاء سیدنا ومرشدنا علی مرتضیٰ ہیں، اسلامی ،ایمانی، علمی، جسمانی، ایقانی، عرفانی، حسبی اور نسبی جس زاویہ سے بھی دیکھا جائے اللہ نے انہیں ہر ہر جہت اور ہر ہر پہلو سے پوری امت پر فائق، افضل، اکمل برتر اور بہتر بنایا ہے (الخلافۃ الباطنیۃ ص6، مکتبہ باب العلم، لاہور۔ پاکستان)

نیز حضرت علی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

شیعہ لوگ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل مانتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک یہ درست نہیں، البتہ وہ بعد از انبیاء کرام علیہم السلام سب سے افضل ہیں اس لیے کہ اگلی پچھلی تمام امتوں کے اولیاء کرام کے روحانی مربی ،مولیٰ اور مطلقا سید الاولیاء وہی ہیں اور یہ کسی ذی شعور سے پہ مخفی نہیں کہ جس طرح روح جسم سے افضل ہوتی ہے اسی طرح روحانی خلیفہ سیاسی خلیفہ سے افضل ہوتا ہے (الخلافۃ الباطنیۃ ص159، مکتبہ باب العلم، لاہور۔ پاکستان)

لہذا واضح ہوا کہ موصوف تفضیل علی کے قائل ہیں، جو اکابرین امت کے فتاویٰ جات کی روشنی میں اہل سنت سے خارج ہے۔

کیا افضلیت صدیق کا منکر اہل سنت سے خارج نہیں۔

ایسے ہی موصوف نے اسبات پہ کافی زور لگایا ہے کہ اس عقیدہ کا منکر اہل سنت سے خارج نہیں، ہم موصوف کے دلائل کا تجزیہ بھی پیش کیۓ دیتے ہیں۔ موصوف اس نظریہ پہ اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اگر واقعی ملا علی قاری کی یہی مراد ہے تو اس قول کی زد میں اہل سنت کے ایسے متعدد نامور ائمہ محدثین اور علماء آتے ہیں جنہوں نے مولیٰ علی کو شیخین (سیدنا ابو بکر و عمر) سے افضل کہا ہے، جبکہ کچھ حضرات نے اس سلسلے میں توقف و سکوت کو بہتر سمجھا ہے (شرح خصائص علی ص 551، ص 526، طبع اول)

موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تفضیل ابو بکر منکر کو اہل سنت کے خارج و مجرم قرار دیا جائے تو اس کی زد میں بہت سے لوگ آتے ہیں، اس بات کو دلیل سے مزین کرنے کے لئے موصوف نے علامہ ابن عبد البر کا قول پیش کیا ہے، جو رقم طراز ہیں:۔

حضرات سلمان فارسی، ابوزر غفاری، مقداد، خباب، جابر، ابو سعید خدری اور زید بن ارقم سے روایت کی گئی ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اول وہ شخص ہیں جو اسلام لائے، اور ان تمام حضرات نے آپ کو دوسروں پر فضیلت دی (الاستیعاب ج 3 ص 198)

علامہ ابن عبد البر کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے امام اہلسنت مولانا امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

ابن عبد البر کا جو دوسرا قول بیان کیا گیا ہے کہ سات صحابہ حضرت علی کو افضل مانتے

تھے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرات مطلقا حضرت علی کو حضرت ابو بکر پر افضل مانتے تھے بلکہ وہ یا تو حضرت علی کو پہلے اسلام لانے کی وجہ سے افضل کہتے تھے۔یا ان کی مراد یہ تھی پہلے تین خلفاء کے بعد سب صحابہ سے آپ افضل تھے (مطلع القمرین بحوالہ جواھر التحقیق ص180)

مفتی نذیر احمد سیالوی صاحب حفظہ اللہ رقم طراز ہیں:۔

عبارت منقولہ کسی اشتباہ کا سبب اور موجب ہرگز نہیں ہے کیونکہ اس میں فضلہ ھولاء علی غیرہ۔ان حضرات نے حضرت علی کو ان کے ماسوا پر فضیلت دی ہے۔تو وجہ فضیلت پہلے حصہ میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ان علی ابن طالب اول من اسلم کہ ان حضرات کے نزدیک حضرت علی کو قبول اسلام میں اولیت کا شرف حاصل ہے۔تو اس سے خوب واضح ہے کہ قبول اسلام میں اولیت کا شرف پانے میں انہوں نے حضرت علی کو دوسروں پہ فضیلت دی ہے۔اور یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ یہ فضیلت جزئیہ ہے لہذا ان حضرات کا یہ نظریہ حضرات ابو بکر و عمر فاروق کی افضلیت مطلقہ پر اجماع صحابہ کرام علیہم الرضوان کے منافی اور مخالف ہرگز نہیں (مناقب الخلفاء الراشدین ج2 ص48-49)

ابن عبد البر کے اسی قول پہ کلام کرتے ہوئے شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

اور کہتے ہیں کہ ابن عبد البر کا کلام مقبول اور معتبر نہیں ہے۔کیونکہ یہ شاذ روایت ہے۔جو جمہور کے قول کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔جمہور ائمہ نے اجماع پہ فیصلہ کیا

ہے(تکمیل الایمان ص 163)

خود علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:۔

فَأَفْضَلُهُمْ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ عَلَى هَذَا جَمَاعَةُ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا مَنْ شَذَّ

ترجمہ:۔غیر شیخین کی ان پر تفضیل کا قول شاذ ہے اور جمہور اہل علم بلا استثناء شیخین کی افضلیت کے قائل ہیں (التمھید ج 21 ص 228، حدیث رابع عشر الابی النضر)

امام ابن حجر مکیؒ جن کا حوالہ موصوف دے چکے ہیں، وہ علامہ ابن عبدالبر کے قول پہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

تو اس کے جواب میں، میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالبر سے جو یہ بات بیان کی گئی ہے کہ سلف نے ان کی فضیلت کے بارے میں اختلاف کیا ہے یہ ایک عجیب وغریب بات ہے اور وہ اس کے بیان میں ان لوگوں سے منفرد ہے جو اس سے حفظ و اطلاع میں کہیں بڑھ کر ہیں۔ پس اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی فضیلت اور دوسرے صحابہ کرام پر ان کی تقدیم کے اجماع کی روایت کرنے والی اکابر ائمہ کی وہ جماعت ہے جس میں حضرت امام شافعی بھی شامل ہیں۔ جیسے کہ بیہقی نے ان سے بیان کیا ہے جن لوگوں نے ان میں سے اختلاف کیا ہے انہوں نے حضرت عثمان اور حضرت علی کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ اگر بطور تنزل تسلیم کر لیا جائے کہ ابن عبدالبر نے وہ

بات یاد رکھی جسے کوئی دوسرا یاد نہیں رکھ سکا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کے شاذ ہونے کی وجہ سے اس سے اعراض کیا ہے کیونکہ مخالف شذوذ پر جرح قدح نہیں کی جاتی یا اس خیال سے کہ یہ اجماع کے انعقاد کے بعد کی بات ہے جو مردود حیثیت کی حامل ہے (الصواعق المحرقہ ص156)

اس کے بعد امام خطابی کا قول نقل کیا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضرت علی افضل ہیں ،اس جگہ موصوف نے الصواعق المحرقہ کو بھی بطور ماخذ ذکر کیا ہے، اس لئے ہم اس حوالہ سے بھی کچھ تفصیل عرض کئے دیتے ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہاں مشائخ مجہول ہیں، دوئم جب اس پہ صحابہ کا اجماع ہے تو کسی اور کے شاذ قول سے اجماع میں فرق نہیں پڑتا۔ سوئم اسی مقام پہ علامہ ابن حجر نے اس قول کا جواب دیتے ہوئے واضح طور پہ رقم کیا:۔

جسے خطابی نے اپنے بعض مشائخ سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر بہتر ہیں اور حضرت علی افضل لیکن ان میں سے بعض نے کہا ہے یہ تو گنجلک اور گڈمڈ سا قول ہے کیونکہ بہتر ہونے کے معنی افضلیت کے سوا اور کچھ نہیں لیکن اگر حضرت ابوبکر کے بہتر ہونے سے یہ مراد ہو کہ آپ بعض پہلوؤں سے بہتر ہیں اور حضرت علی بعض دیگر پہلوؤں سے افضل ہیں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے (الصواعق المحرقہ ص155)

اس کے بعد تاریخ دمشق کا حوالہ پیش کیا، جس میں ہے کہ:۔

سیدنا علی ابن ابی طالب رسول اللہ کے اصحاب پر سو مناقب کے ساتھ فضیلت

رکھتے ہیں، تاہم مجھے حضرت عثمان ان سے زیادہ محبوب ہیں (تاریخ دمشق ج 42 ص 531)

ایسے اقوال کا جواب دیتے ہوئے قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:۔

جمہور کے نظریہ کے برعکس سلف میں سے افضلیت کے بارہ میں کسی کا قول ثابت ہو بھی جائے، اسے جزئی فضیلت پر محمول کیا جائے گا ((السیف المسلول ص 435)

پھر اس قول میں افضلیت کو حضرت علی و عثمان پہ بھی حمل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ یہاں حضرت عثمان کی محبت کا ذکر ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے۔ اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب کا ذکر کیا، جبکہ وہ دوٹوک لکھتے ہیں:۔

اور حضرت ابوبکر صدیق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل ہیں (العقیدۃ الحسنۃ ص 95)

موصوف نے اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت کی عبارت بھی پیش کی، جس پہ سوائے اظہار افسوس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، اعلیٰ حضرت کا دوٹوک موقف یہی ہے کہ اس عقیدہ کا منکر تفضیلی ہے، اہل سنت سے خارج ہے، حوالہ اوراق سابقہ پہ درج ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی تفضیلی حضرات کو شیعہ میں شمار کیا ہے (السیف المسلول ص ۲۲) ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس عقیدہ کے حامل شخص پہ غالی شیعہ اور رافضی ہونے کا اطلاق کیا (تہذیب التہذیب ج 1 ص 94، ہدی الساری ج 2 ص 240) امام سیوطی نے بھی اس عقیدہ کے قائل کو رافضی اور اس عقیدہ کو خبیث قرار

دیا (الحاوی للفتاویٰ ج 1 ص 318) شامی اور عالمگیری میں اسے بدعتی شمار کیا گیا (فتاویٰ شامی ج 1 ص 360) ائمہ اہل سنت نے حضرت ابوبکر کی تفضیل کو اہل سنت کی پہچان اور علامت قرار دیا (مرقاۃ ج 2 ص 77، تکمیل الایمان ص 87، شرح عقائد نسفی ص 150، نبراس ص 302) الحاصل یہ حضرات بدعتی ہیں، اہل سنت سے خارج ہیں اور ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی (کنز الدقائق ص 82، فتاویٰ رضویہ ج 4 ص 53، فتاویٰ نوریہ ج 1 ص 320)

حضرت ابوبکر و عمر شکست خوردہ تھے؟

عباد بن یعقوب راوی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کی طرف روانہ فرمایا۔ راوی کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ ابن عباس نے کہا: سیدنا ابوبکر کو بھیجا تو وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکست خوردہ واپس آئے، پھر دوسرے دن سیدنا عمر کو بھیجا تو وہ بھی شکست خوردہ واپس لوٹے

(شرح خصائص علی ص 161، ص 125، طبع اول)

جبکہ یہ راوی کٹر شیعہ ہے اور صحابہ کرام کو گالیاں دیا کرتا تھا (میزان الاعتدال ج 2 ص 15)، امام سیوطی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ رافضی اور منکر روایات کو بیان کرتا ہے (کشف الاحوال فی نقد الرجال ص 57) اس لئے ایسے دشمن صحابی راوی کی روایت سے استدلال کر کے اہل سنت کے جذبات کو مجروح کرنا رافضیت کی ترجمانی کے مترادف ہے جس پہ موصوف کے دیگر نظریات دال ہیں۔

حضرت عثمان کی شان میں گستاخی

موصوف حضرت عثمان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

مگر خلیفہ ثالث کے دور میں ان کے رشتہ داروں نے ان کے بڑھاپے سے ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش کی اور معاملہ بگاڑ دیا۔ بغرض اصلاح سیدنا علی نے انہیں بھی سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی اور بسا اوقات ان کی نصیحتوں کو خلیفہ ثالث نے قبول بھی کیا لیکن معا بعد ہی خلیفہ ثالث کے بعض رشتہ داروں نے آکر ایسی چکنی چپڑی باتیں کیں کہ سیدنا علی کی اخلاص بھری نصیحتوں پر عمل نہ ہوسکا۔ بالآخران ہی عاقبت نا اندیش رشتہ داروں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے خلیفہ ثالث شہید کردیے گئے (صلح الامام الحسن ص 10)

موصوف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے اپنی رشتہ داروں کی باتوں میں آکر ایسے اعمال کئے جو آپ کی شہادت کا سبب بنے، حقیقت یہ ہے کہ آپ پہ ظلم کیا گیا، باغیوں نے آپ کو ناحق شہید کیا، تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ہم اکابرین امت کے فرامین رقم کئے دیتے ہیں۔ امام نسفی لکھتے ہیں:۔

پھر اس امر پر دلیل کہ وہ مظلوم شہید ہوئے اور ان کو شہید کرنے اور خلافت سے برطرف کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ بے شک اکابر صحابہ کرام اور جنت کی خوش خبری پانے والے باقی صحابہ، شوریٰ کے ممبران اور بدری صحابہ اور اول مہاجرین وانصار صحابہ میں سے کوئی ایک بھی حضرت عثمان کو خلافت سے برطرف کرنے کے فتنے میں مشغول نہیں ہوا، نہ ہی انہوں نے آپ سے جھگڑے اور محاربت کا ارادہ کیا، اور نہ ہی آپ کو کسی فعل اور امر پر ملامت کی (تبصرۃ الادلۃ ج 2 ص 1160)

ابن حجر لکھتے ہیں:۔

اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت عثمان کے قاتل باغی نہیں تھے بلکہ وہ اپنے بے سروپا شبہات کی وجہ سے ظالم اور سرکش تھے اور اس لئے بھی انہوں نے شبہات کے دور ہونے اور حق واضح ہوجانے کے بعد باطل پر اصرار کیا (الصواعق المحرقہ ص 495)

اس لئے باغیوں کے شبہات درست نہ تھے، ان کی جانب سے جو اعتراضات اٹھائے گئے ان کے جواب کے لئے الصواعق المحرقہ ملاحظہ کریں، تفصیل ہم مرزا محمد علی اور طہ حسین مصری کے تذکرہ میں رقم کریں گے۔ سردست اتنا عرض ہیکہ حضرت عائشہ اور اور حضرت علی دونوں نے قاتلان عثمان پہ لعنت کی ہے (مصنف ابن ابی شیبہ 38948) ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان کو بشارت دی تھی کہ اللہ آپ کو قمیص پہنائے گا اور منافقین اسے اتارنے کی کوشش کریں گے اور آپ اسے مت اتاریئے گا (مسند احمد بن حنبل، 23945، ترمذی، 3714، ابن ماجہ 114، فضائل الصحابہ 723) اس روایت سے بھی ثابت ہوا کہ قاتلان عثمان منافق تھے۔

حضرت مغیرہ پہ تنقیص علی کا الزام

مسند احمد میں اس سے اگلی حدیث میں عبدالرحمٰن بن اخنس سے منقول ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے خود ہی مولیٰ علی کو برا کہا تھا (شرح خصائص نسائی ص 503، رقم 89)

نیز لکھا:۔

قرین قیاس یہ ہے کہ دونوں موقعوں پر مغیرہ بن شعبہ نے قوم کو گمراہ کرنے اور اپنے لیڈر و قائد کو خوش کرنے کے لیے یہ ناپاک اہتمام کیا ہوگا، جیسا کہ عموماً نام نہاد

سیاستدان کرتے ہیں، غالباً اسی دوسرے موقعہ پر یا کسی بھی اور موقعہ پر جب معاویہ کی زیر صدارت مولیٰ علی پر سب وشتم کیا جا رہا تھا (شرح خصائص علی ص 504)

سب سے اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ جس حدیث کے تحت موصوف نے کلام کیا ہے اس کے مرکزی راوی ابوعبداللہ الجدلی ہیں، ان کے متعلق موجود ہے:۔

اسمه عبدة بن عبد بن عبد الله بن أبي يعمر بن حبيب بن عائذ بن مالك بن وائلة بن عمرو بن ناخ بن يشكر بن عدوان واسمه الحارث بن عمرو بن قيس بن عيلان بن مضر وسمي الحارث عدوان لأنه عدا على أخيه فهم بن عمرو فقتله وأم عدوان وفهم جديلة بنت مر بن طابخة أخت تميم بن مر فنسبوا إليها ويستضعف في حديثه. وكان شديد التشيع ويزعمون أنه كان على شرطة المختار فوجهه إلى عبد الله بن الزبير في ثماني مائة من أهل الكوفة ليوقع بهم ويمنع محمد بن الحنفية مما أراد به بن الزبير. (الطبقات الكبرى لابن سعد ج 8 ص 347)

امام ذہبی ان کے متعلق رقم طراز ہیں:۔

ابوعبداللہ الجدلی شیعی۔۔۔ بغیض (میزان الاعتدال ج 4 ص 544)

رہ گیا یہ کہنا کہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس پہ تشیع کا الزام تھا (تقریب التہذیب ج 2 ص 425)، تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ خود حافظ ابن حجر نے اس

میں شدید تشیع تسلیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

بیان حدیث میں ضعیف ہے اور اس میں شدید قسم کا تشیع تھا اور اس کے علاوہ وہ مختار ثقفی کی فوج کا سربراہ تھا (تہذیب التہذیب ج12 ص148)

دوئم حافظ صاحب لکھتے ہیں:۔

مالم یکن داعیة او کان وتاب او اعتضدت روایته بمتابع، و هٰذا بیان ما رموا به"۔

الزام علیہ لوگوں کی وہ روایت لی جائے گی جو اُن کی الزام کی طرف نہ بلا رہی ھو۔۔ ۔الخ (فتح الباری)

اور کیونکہ یہ روایت تشیع کے نظریہ کو مظبوط کرتی ہے ،اس لئے قابل قبول نہیں ۔ایسے ہی خود شیعہ حضرات نے بھی ان کا شیعہ ہونا تسلیم کیا ہے (رجال الشیعہ ص462)

پھر سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ مسند احمد اور مستدرک حاکم میں اس کی مکمل سند موجود ہے جس میں ایک راوی ابواسحاق عمرو بن عبداللہ السبیعی الکوفی ہیں (المستدرك على الصحيحين ج 3 ص 130،مسند احمد ج 6 ص323)

اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ خصائص نسائی میں اس سند کا ایک راوی چھوٹ گیا ہے، اور دیگر کتب سے اس کی صراحت ہوجاتی ہے۔ دوئم یہ راوی طبقہ ثالثہ کا مدلس ہے اور ان سے سماع کی تصریح بھی موجود نہیں۔ (طبقات المدلسین) اس کے بعد موصوف نے مسند احمد بن حنبل کی روایت پیش کی جسمیں نہ ہی منبر کا ذکر اور نہ ہی

کسی اموی کا ذکر ہے بلکہ اس دور میں خوارج بھی حضرت علی کے خلاف تھے، اس لئے جب تک صراحت نہ ہو کلام کی حاجت نہیں۔

سوئم حضرت مغیرہ کو اس الزام پہ ملوث کرنے کے لئے موصوف کی جانب سے سب سے پہلے مسند احمد کی حدیث نمبر دوسری مسند احمد حدیث نمبر 1631 پیش کی ہے، جس میں ایک راوی عبدالرحمن بن الاخنس موجود ہے، جو مستور و مجہول الحال ہیں (تقریب التہذیب) ثانیا متابعت میں جو حدیث پیش کی اس میں دی گئی سند کچھ یوں ہے:۔

أخبرنا محمد بن العلاء قال: أنا بن إدريس قال: أنا حصين عن هلال بن يساف عن عبد الله بن ظالم. ((سنن نسائی الکبریٰ 8208)

قارئین کرام! اگر فیضی صاحب کا مقصد تحقیق ہوتا تو وہ یقیناً اس سند کے متعلق امام نسائی کے سنہری الفاظ جو ایک ہی صفحہ قبل موجود تھے پیش کرتے، امام نسائی فرماتے ہیں:۔

هلال بن يساف لم يسمعه من عبد الله بن ظالم ".(السنن الکبری- ج 7، ص 327، رقم 8135: ج 7 ص 332 رقم 8149)

ترجمہ:۔ یعنی ھلال بن یساف نے اس حدیث کو عبداللہ بن ظالم سے نہیں سنا

ایسے ہی حدیث نمبر 1637 میں یہی عبدالرحمٰن بن الاخنس مجہول الحال راوی ہے اور ان کی متابعت میں پیش کردہ سند میں بھی وہی انقطاع موجود ہے، ایسے ہی مسند احمد کی حدیث نمبر 1638 اور اس کے بعد موصوف کی پیش کردہ سنن نسائی کی حدیث نمبر

8151 میں یہی منقطع سند موجود ہے۔اس لئے موصوف کا ان روایات سے استدلال ہرگز درست نہیں۔اگر کوئی روایت بظاہر صحیح سند بھی رکھتی ہے تو اس میں اول تو حضرت مغیرہ بن شعبہ کے فعل کا ذکر نہیں، دوئم اس میں کسی اور شخص کا ذکر ہے اور اس میں لفظ سب موجود ہے، جو سیاسی تنقید کے معنی میں بھی مستعمل ہے،اس لئے موصوف کا مندرجہ بالا تبصرہ ان کے اندر کی رافضیت کا ترجمان ہے۔

حضرت معاویہ اور سب وشتم

موصوف لکھتے ہیں:۔

تاہم انہوں نے کسی مجلس عام میں سیدنا علی المرتضیٰ کی فضیلت تو کیا ذکر خیر بھی نہیں کیا، بلکہ ان کے فضائل کو چھپاتے رہے اور الٹا برائی بیان کرتے کراتے رہے (شرح خصائص نسائی ص939،ص903،طبع اول)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

انتہائی دکھ اور افسوس کی بات ہے کہ جناب معاویہ کو ان کے دور اقتدار میں سیدنا علی کے فضائل وخصائص پر آگاہی ہوگئی تھی اور وہ آیت مباہلہ اور آیت تطہیر کی شان نزول سے بھی آگاہ ہوں گے مگر اس کے باجود اپنی کابینہ اور ارا کین حکومت کے ذہنوں کو صاف نہ کر سکے اور انہیں سب وشتم سے باز نہ رکھ سکے (شرح خصائص علی ص511)

موصوف نے اپنے اس دعویٰ پہ جو حوالہ پیش کیا ہے،اولاتو اسی روایت میں خود حضرت معاویہ فرماتے ہیں:۔

اے ابوالحسن! میرے کثیر فضائل ہیں، میرا باپ جاہلیت میں سردار تھا اور میں اسلام میں بادشاہ ہوں اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سالہ اور مومنین کا ماموں ہوں اور کاتب وحی ہوں (تاریخ دمشق ج32 ص521)

لیجئے! کیا ہمارے مخالفین ان الفاظ سے متفق ہیں، جبکہ موصوف اس کے منکر ہیں، جیسا کہ آگے ان مسائل پہ بحث آ رہی ہے۔ دوئم اس کی سند میں ابوبکر بن درید ہے جس کے بارے میں لسان المیزان میں ہے:۔

أنه لم يكن ثقة عند جميعهم وكان خليعا (لسان المیزان ج5 ص134)

ترجمہ:۔ وہ ان سب میں قابل اعتبار نہیں تھا اور وہ بدتمیز تھا۔

اب ایسے راوی سے احتجاج موصوف کا ہی کام ہے، ہمارے نزدیک حجت نیست۔ اس کے بعد جناب لکھتے ہیں:۔

جناب معاویہ نے یہ ایسی سنت سیئہ چھوڑی تھی جو صدیوں تک جاری رہی اور اب تک اس کے اثرات موجود ہیں، چونکہ یہ سب وشتم سرکاری سربراہی میں ہوتا تھا اس لیے عامۃ الناس کے نزدیک اسے اتنا برا نہیں سمجھا جاتا تھا (شرح خصائص علی ص541، ص516، طبع اول)

اس موضوع پہ موصوف نے کافی اوراق سیاہ کیے ہیں مگر ٹھوس دلیل پیش کرنے سے قاصر رہے، موصوف ایک بھی صحیح روایت اپنے اس دعویٰ پہ پیش نہ کر سکے۔ اس وقت ہمارے سامنے ان کی تین عدد کتب موجود ہیں، انہوں نے جو روایات اس سلسلہ میں پیش کیں ہیں، ان کا تجزیہ ہم آپ احباب کی خدمت میں پیش کیے دیتے

ہیں۔ موصوف نے اس سلسلہ میں ابن عساکر کی روایت اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 939 پہ پیش کی جس میں ہے کہ حضرت حسن نے منبر پہ سب وشتم کے متعلق مروان سے سوال پوچھا تو اس نے کہا کہ اس کے بغیر ہمارا معاملہ مظبوط نہیں، اس پہ عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو چوتھے طبقے مدلس ہے اور سماع کی تصریح نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔

محمد بن اسحاق تدلیس کرتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج۹ ص ۴۳)

نیز امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا:۔

وہ بہت زیادہ تدلیس کرتا ہے ان سے پوچھا گیا کہ جب وہ اخبرنی اور حدثنی کے ساتھ روایت کرے اس کی روایت معتبر ہے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ وہ اخبرنی کہتا ہے پھر اس کے خلاف بھی کہہ دیتا ہے۔ (میزان الاعتدال ج۳ ص ۴۷۰)

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

فَإِن ابْن إِسْحَاق مُدَلّس مَشْهُور بذلك، والمدلس إِذا قَالَ: عَن، لَا يُحْتَج بِهِ بِالِاتِّفَاقِ.

محمد بن اسحاق تدلیس کرنے میں مشہور ہے اور جب مدلس عن کے ساتھ روایت کرے تو اس کی حدیث بالاتفاق حجت نہیں ہوتی۔ (خلاصۃ الاحکام ج۲ ص ۴۹۳)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:۔

محمد بن إسحاق بن يسار أبو بكر المطلبي مولاهم المدني

نزيل العراق إمام المغازي صدوق يدلس ورمي بالتشيع والقدر من صغار الخامسة مات سنة خمسين ومائة ويقال بعدها (تقریب التہذیب ج2 ص54)

علامہ مولانا ابراہیم چشتی صاحب لکھتے ہیں:۔

اور مسلمات میں سے ہے کہ جہاں بھی مدلس بلفظ عن روایت کرے، وہ روایت متصل نہیں سمجھی جاتی اور روایت محمد بن اسحاق یسار ترمذی وغیرہ میں بلفظ عن مذکور ہے اور یہ روایت اصول حدیث کے اعتبار سے منقطع ہے لہذا قابل حجت نہیں۔ (قرآۃ خلف الامام ص211-212)

ہماری یہ جرح خالصتاً الزامی ہے، کیونکہ موصوف بھی حنفی ہیں اس لئے یہ روایت پیش کی گئی۔ پھر بالفرض یہ علت نہ بھی ہو تو اسی روایت کے ایک اور راوی شریک بن عبد اللہ ہیں، ان کے متعلق بھی محدثین کے اقوال پیش خدمت ہیں:۔ امام ابراہیم بن سعید الجوہری (المتوفی 249) فرماتے ہیں:

أخطأ شَرِيك في أربع مِئَة حديث""

شریک نے چار سو حدیثوں میں غلطی کی ہے" (الکامل لابن عدی: 5/12 وسندہ صحیح)

امام ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (المتوفی 259) فرماتے ہیں:

شريك بن عبد الله سيء الحفظ مضطرب الحديث مائل شریک بن عبداللہ خراب حافظے والے اور مضطرب الحدیث مائل شخص تھے" (احوال الرجال

للجوزجانی:1/150)

امام ابوزرعہ الرازی (التوفی 264) نے فرمایا:۔

"کان کثیر الحدیث صاحب وهم، یغلط أحیانا" "

ترجمہ:۔وہ کثیر الحدیث تھے، اور اکثر وہم اور غلطی کرتے تھے۔" (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:4/367)

حافظ ابن حجر العسقلانی (التوفی 852) شریک کے متعلق فرماتے ہیں:

صدوق یخطیء کثیرا تغیر حفظه منذ ولی القضاء بالکوفة وکان عادلا فاضلا عابدا شدیدا علی أهل البدع"

ترجمہ:۔

صدوق کثیر غلطیاں کرتے تھے، ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا جب سے انہوں نے کوفہ میں قضاءۃ کا عہدہ سنبھالا، اور وہ عادل فاضل عابد اور اہل البدعت پر شدید رد کرنے والے تھے" (تقریب:1/266)

اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہیں۔اپنے اس دعوی کو ثابت کرنے کے لئے موصوف نے اپنی کتب میں تاریخ کا یہ قول پیش کیا ہے کہ بنوامیہ کے دور میں منبروں پہ حضرت علی پہ سب و شتم کیا جاتا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت ملنے کے بعد اسے موقوف کر دیا۔حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت بھی تاریخ کی خرافات میں سے ایک لغو کہانی پہ مشتمل داستان ہے، جس کا حقیقت کا سے کچھ تعلق نہیں۔بالفرض اس روایت کو تسلیم کیا جائے تو سب سے اولا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب و شتم جو ساٹھ سال تک منبروں پہ کیا گیا وہ آخر کیا تھا؟ آخر وہ کونسی مادر زاد گالیاں تھیں، جو حضرت علی

کونڈا کالی گئیں؟

دوئم تھوڑی سی عقل رکھنے والا شخص اگر کچھ غور وفکر سے کام لے تو اس پہ یہ بات کھل جائے گی کہ منبروں پہ گالیاں دینا ایک انتہائی قبیح عمل ہے اور ایک مسلمان ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتا۔ سوئم اگر تاریخ کے اوراق کو کھنگالا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قاتلان عثمان پہ لعنت کو سب وشتم سے تعبیر کیا گیا، جیسا کہ طبری کی یہ روایت اس کی وضاحت کرتی ہے (تاریخ طبری ج 4 ص 93) اگر اسے حضرت علی پہ سب وشتم پہ محمول کیا جائے تو اس کا نتیجہ لامحالہ یہی ہوگا کہ حضرت علی کو قاتل عثمانؓ تسلیم کیا جائے ، وگرنہ اعتراض ہرگز درست نہیں۔

اسی دعویٰ کے ثبوت میں موصوف نے اپنی کتاب صلح امام حسن کے صفحہ 255 پہ ایک روایت المختصر فی اخبار البشر سے پیش کی ہے، جب کہ اس مقام پہ یہ روایت بغیر کسی سند کے درج ہے ملاحظہ ہو (المختصر فی اخبار البشر ص 201)

اس کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاص کے حوالہ سے مسلم شریف میں حدیث موجود ہے تو وہاں سب کا لفظ تنقید اور مخالف کے موقف کی تغلیط کے حوالہ سے ہے ،اس کے علاوہ اکثر روایات میں لوط بن یحیٰی ابی مخنف ہے جو کہ جلا بھنا شیعہ ہے

-امام أبو حاتم الرازی رحمه الله (المتوفی 277) نے کہا:

متروك الحديث [الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 182/7]۔

امام ابن معین رحمه الله (المتوفی 327) نے کہا:

أبو مخنف وأبو مريم وعمرو بن شمر ليسوا هم بشيء قلت ليحيى هم مثل عمرو بن شمر قال هم شر من عمرو بن شمر [تاريخ

ابن معین-روایۃ الدوری: 439/3]۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ (المتوفی365) نے کہا:

شیعی محترق صاحب أخبارهم [الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی: 241/7]۔

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ (المتوفی:597) نے کہا:

وفی حدیث ابن عبّاس أَبُو صَالح الْكَلْبِيّ وَأَبُو مخنف وَكلهمْ كذابون. [الموضوعات لابن الجوزی 406/1]۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

لُوطِ بْنِ يَحْيَى (۱)، وَهُشَامِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ السَّائِبِ (۲)، وَأَمْثَالِهِمَا مِنَ الْمَعْرُوفِينَ بِالْكَذِبِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مَعَ أَنَّ أَمْثَالَ هَؤُلَاءِ هُمْ مِنْ (۳) أَجَلِّ مَنْ يَعْتَمِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّقْلِ إِذْ كَانُوا يَعْتَمِدُونَ عَلَى مَنْ هُوَ فِي غَايَةِ الْجَهْلِ، وَالِافْتِرَاءِ مِمَّنْ لَا يُذْكَرُ فِي الْكُتُبِ، وَلَا يَعْرِفُهُ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالرِّجَالِ [منهاج السنة النبوية لابن تيميه: 59/1]۔

ابن حجر لکھتے ہیں:۔

لوط" بن يحيى أبو مخنف اخباری تالف لا یوثق به تركه أبو حاتم وغيره وقال الدارقطنی ضعيف وقال يحيى بن معين ليس بثقة وقال مرة ليس بشیء وقال ابن عدی شیعی محترق صاحب اخبارهم (لسان المیزان ج4 ص492)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ھ:748) نے کہا:

لوط بن يحيى، أبو مخنف، أخباری تالف، لا يوثق به[ميزان الاعتدال للذهبی: 419/3]۔

دوسرے مقام پر کہا:

أبو مخنف.اسمه لوط بن يحيى.هالك.[ميزان الاعتدال للذهبی: 571/4]۔

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

متروك، وقال الدارقطنی: ضعيف(ديوان الضعفاء ص 333)

نیز لکھتے ہیں:۔

قَالَ يَحْيَى بنُ مَعِيْنٍ: لَيْسَ بِثِقَةٍ. وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ: مَتْرُوْكُ الحَدِيْثِ. وَقَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ: أَخْبَارِيٌّ ضَعِيْفٌ(سير اعلام النبلاء ج7ص10)

ایسے ہی لکھا:۔

أَبُو مخنف الكوفی الرافضی الإخباری صاحب هاتيك التصانيف.يروى عَن الصقعب بْن زهير ومجالد بْن سعيد وجابر بْن يزيد الجعفی وطوائف من المجهولين.وعنه علی بن محمد المدائنی وعبد الرحمن بن مغراء وغير واحد.قَالَ ابْنُ مَعِينٍ: لَيْسَ بِثِقَةٍ.وَقَالَ أَبُو حاتم: متروك الحديث.وقال

الدارقطني: أخباري ضعيف (تاريخ السلام ج9ص581)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ھ:911) نے کہا:

لوط والكلبي كذابان[اللآلیء المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة 355/1].

امام ابن العراق الکنانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ھ:963) نے کہا:

لوط بن یحیی أبو مخنف كذاب تالف [تنزيه الشريعة المرفوعة 98/1].

ہاشم معروف حسینی شیعی نے کہا:

ویکفی هذه الرواية عيبا انها من مرويات ابی مخنف و قد ضعفه السنة والشيعة ولم يثقوا بمروياته ....[الموضوعات فی الاخبار والآثار: ص ۲۱۵].

ابن شاہین ابن معین کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أبو مخنف. ليس حديثه بشيء - يعني لوط بن يحيى - وقال مرة أخرى: ليس بثقة.(كتاب تاريخ أسماء الضعفاء والكذابين ص163)

اپنے اس موقف کی تائید میں ہم عرب محققین کی آراء پیش کیے دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:۔

فإن تاريخ الإمام الطبرى فيما يتعلق بالخلفاء الراشدين من أوسع المصادر التأريخية المتقدمة وأكثرها اعتناءً بالإسناد

إلا أن الطبري رحمه الله اعتمد في تأريخ حروب الردة وفتوح الشام والعراق ومجريات الأحداث في هذا العهد على مرويات سيف بن عمر التيمي وبكثرة. وكذلك اعتمد مرويات أبي مخنف.

ومعلوم أن أئمة الجرح والتعديل أجمعوا على تضعيف أبي مخنف فقال ابن حبان: رافضي يشتم الصحابة ويروي بالموضوعات عن الثقات (لسان الميزان ۴/ ۳۶۶).(صحيح وضعيف تاريخ الطبري ص5)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

وقال ابن عدي: حدث بأخبار من تقدم من السلف الصالحين ولا يبعد منه أن يتناولهم وهو شيعي محترف صاحب أخبارهم (الكامل ۶/ ۲۱۱۰).وقال ابن معين: ليس بشيء (تأريخ ابن معين ۲/ ۵۰۰) وعقب ابن عدي قائلًا: (وهذا الذي قاله ابن معين يوافقه عليه الأئمة) (الكامل الموضع السابق).وقال أبو حاتم: متروك الحديث (الجرح والتعديل ۷/ ۱۸۲). ورأي ابن حجر فيه هو ما ذكره في لسان الميزان (۴/ ۴۹۲) لوط بن يحيى - أبو مخنف - أخباري تالف لا يوثق به. تركه أبو حاتم وغيره. اهـ.(صحيح وضعيف تاريخ الطبري ص5)

اب ایسے راوی کی روایات کے متعلق خواجہ قمر الدین سیالوی لکھتے ہیں:

اگر سند میں ایک راوی بھی بد مذہب جھوٹا سیئی الحفظ ،دھوکا دینے والا ثابت ہو جائے تو اس روایت کو الزام دینے والے کے گلے میں لٹکا دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کا مذہب اس قسم کی روایات پہ مبنی نہیں (مذہب شیعہ ص 110)

یہاں اس ابو مخنف پہ تفصیلی جرح ہم اس لئے پیش کردی ہے کہ تاریخ کی اکثر روایات جو صحابہ کو مجروح کرتی ہیں، موصوف سے ہی مروی ہیں اور تاریخ طبری میں تقریبا 612 روایات کے راوی موصوف ہیں۔ لیکن ہمارے مہربان فیضی صاحب اس کی حمایت میں پیش پیش ہیں، کیونکہ موصوف کے نظریات کی آبیاری میں لوط بن یحیٰی کی روایات کا خاصہ حصہ ہے، اس لئے ہمارے مخاطب کو اس کی تضعیف پہ تکلیف محسوس ہونا کچھ اچنبھے کی بات نہیں۔ موصوف اس کی تائید میں لکھتے ہیں:۔

ابو مخنف لوط بن یحیٰی کے بارے میں بعض یمنی علماء اہل سنت نے زبردست بات کہی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ ابو مخنف پر یوں بے دردی سے جرح کی گئی جس طرح امام اعظم ابو حنیفہ پر کی گئی ہے، تو کیا ایسے اکابر محدثین کی جرح امام اعظم کے خلاف آنکھیں بند کر کے قبول کر لی جائے؟ انہوں نے فرمایا: ابو مخنف کوئی کذاب یا وضاع شخص نہیں تھا لیکن اس کا جرم یہ تھا کہ وہ محب اہل بیت تھا (صلح الاما الحسن ص 137)

قارئین! جناب کے جملے جہاں ان کی ذہنی ژولیدگی کے ترجمان ہیں، وہاں یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ موصوف کا مقصد احقاق حق نہیں محض شبہات پیدا کر کے عامۃ الناس کے قلوب کو مشکوک کرنا ہے، موصوف کا یہ بیان ان کی علم سے دوری پہ بھی بطور شاہد پیش کیا جا سکتا ہے۔ دونوں حضرات پہ کی گئی جرح کی نوعیت مختلف ہے، امام اعظم

پہ موجود جرح کی تردید موجود ہے۔ جبکہ لوط بن یحیٰی پہ جرح کی تردید تو ایک طرف موصوفِ کی توثیق پہ کوئی حوالہ ہمارے مہربان فیضی صاحب کو بھی نہ مل سکا، وگرنہ وہ اس سے استدلال ضرور کرتے[1]۔ پھر خود شیعہ حضرات نے بھی جناب کو شیعہ تسلیم کرکے ہمارے موقف کی تائید کی ہے۔ جلیل تاری شیعی لکھتے ہیں:۔

شیخ طوسی کا اپنی کتاب "فہرست" میں اور نجاشی کا اپنی کتاب "رجال" میں ان کے مذہب کے بارے میں کوئی رائے پیش نہ کرنا ان کے شیعہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ شیخ عباس قمی اور آقا بزرگ تہرانی نے واضح طور پر ان کے شیعہ ہونے کو بیان کیا ہے بلکہ یہاں تک کہا ہے کہ ان کا شیعہ ہونا مشہور ہے لیکن آقا خوئی نے اپنی کتاب "معجم رجال الحدیث" میں ان کے شیعہ یا غیر شیعہ ہونے کو بیان کئے بغیر انہیں ثقہ کہا ہے۔ (سقیفہ کے حقائق ص 12)

لوط بن یحیٰی محب اہل بیت؟

دوئم جناب کا یہ کہنا کہ وہ محب اہل بیت تھا، صرف الفاظ کی ہیرا پھیری ہے۔ اول تو جناب کے ذمے تھا کہ وہ بحوالہ ان یمنی علماء کا قول نقل کرتے اور یہ صراحت کرتے کہ ان کا اہلسنت میں کیا مقام ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ایسے علماء کا وجود ہی نہیں۔ صرف لفاظی کے زور پہ سادہ لوح عوام کو دھوکہ دینے کی زبردست سعی کی گئی ہے۔ جناب کی یہ بات قابل مذمت ہے کہ لوط بن یحیی محب اہل بیت تھا، اگر اس کی

---

[1] ابن کثیر سے استدلال کرنا بھی حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ امام ابن کثیر اسے اخباری اور شیعی قرار دے چکے ہیں (البدایہ والنھایہ ج 8 ص 202)

روایت کردہ روایات پہ نظر ڈالی جائے تو نہ صرف صحابہ بلکہ اہل بیت کی حیثیث بھی مجروح ہو جاتی ہے، ان تاریخی روایات پہ اکابرین امت بھی برہم نظر آتے ہیں بلکہ خود امام طبری رحمہ اللہ مقدمہ میں رقم طراز ہیں:۔

فَمَا يَكُنْ فِيْ كِتَابِيْ هٰذا مِنْ خَبَرٍ ذَكَرْنَاه عن بَعْضِ الماضِيْنَ مِمَّا يَسْتَنْكِرُه قَارِيهِ، أو يَسْتَشْنَعُه سَامِعُه، مِنْ أَجَلِ أنَّه لَمْ يَعْرِفْ له وَجهاً فِي الصِّحَّةِ، وَلاَ مَعْنًى فِي الْحَقِيْقَةِ، فَلْيُعْلَمْ أنَّه لَمْ يُؤْتِ فِيْ ذٰلِكَ مِنْ قَبْلِنَا، وَ إنَّمَا مِنْ قِبَلِ بَعْضِ نَاقِلِيْهِ إلَيْنَا، وَأنَّا إنَّما أَدَّيْنَا ذلِكَ عَلى نَحْوِمَا أُدِّيَ إلَيْنَا" (تاريخ الطبري، خطب الكتاب:۱/۱۳)

اس مقام پہ خود امام طبری رحمہ اللہ کا اقرار ہے کہ بعض مقامات واقعی تشویشناک ہیں اور ایسے مقامات کے ذمہ دار راوی ہیں، بہرامام طبری رحمہ اللہ نے بھی اس بات کی صراحت کردی ہے، مگر انہی روایات کی بدولت ان پہ بھی شیعہ ہونے کی جرح کی گئی۔ مولوی نافع دیوبندی لکھتے ہیں:۔

"غور طلب بات یہ ہے کہ صاحب التاریخ محمد ابن جریر الطبری کے لیے عباسیوں کے اس فراہم کردہ غلیظ مواد کو من وعن نقل کر کے اپنی تصنیف میں شامل کرنے کا کون سا داعیہ تھا؟ اور اس نے کون سی مجبوری کی بنا پر یہ کارِ خیر انجام دیا؟ گویا الطبری نے اس مواد کو اپنی تاریخ میں درج کر کے آنے والے لوگوں کو اس پر آگاہ کیا اور سب وشتم اور لعن طعن کے جو دلائل عباسیوں نے مرتب کروائے تھے، ان پر آئندہ نسلوں کو مطلع کرنے کا ثواب کمایا؟ چناں چہ شیعہ اور روافض

رسالہ مذکورہ میں مندرجہ مواد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی کتب میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن قائم کرتے ہیں اور شدید اعتراضات پیدا کرتے ہیں (فوائد نافع ج1 ص58)

اسی رویہ کی بدولت امام ذہبی و ابن حجر نے بھی ان کے تشیع کے میلان کی جانب یوں اشارہ کیا

ثِقَةٌ صَادِقٌ فِيهِ تَشَيُّعٌ يَسِيرٌ وَ مُوَالَاةٌ لَاتَضُرُّ (میزان الاعتدال ۴۹۹/۳، لسان المیزان: ۵/ ۱۰۳)

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

اہل تشیع ایک اور طریقے سے اہل سنت کے مورخین کو دھوکہ دیتے ہیں، اس مواد کے نقل کرنے میں بالکل خیانت نہیں کرتے، لیکن جب صحابہ کرام کا تذکرہ اوران کے درمیان اختلافات کا مقام آتا ہے تو محمد بن جریر طبری شیعی کی کتاب سے نقل کرتے ہیں جو اس نے صحابہ کی تنقیص شان میں تحریر کی ہوئی ہے (تحفہ اثناء عشریہ ص57)

حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

اور یاد رکھو وہ تمام روایات جو اس نزاع کی تفصیل میں وارد ہیں وہ یا تو مورخ طبری سے مروی ہیں، جو کہ اسماء الرجال کی تصریح کے مطابق مردود الروایہ ہے، اور یہ ابن طبری بلاشبہ شیعہ ہے (وصایا قمریہ ص15، انوار قمریہ ص379)

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد جناب علامہ پیر سائیں غلام رسول قاسمی فرماتے

ہیں:۔

حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کے اس اقتباس کو بار بار پڑھیے۔آپ نے چند سطور میں دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں،اولیاء کرام کا نام لیکر ان کا مسلک واضح کر دیا ہے اور چور کو اس کے گھر تک پہنچا دیا ہے (دفاع سیدنا امیر معاویہ ج1 ص132)

مولانا محمد عظیم نقشبندی لکھتے ہیں:۔

محمد بن جریر طبری شیعہ ہے اور اس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی کسر شان میں الیضاح المسترشد نامی کتاب لکھی ہے جس میں مسئلہ خلافت کو تحریر کیا اور صحابہ کرام کو ہدف تنقید بنایا (عمدۃ التحقیق ج1 ص323)

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہوا کہ مورخ ابن جریر طبری اپنی تحریرات کی روشنی میں شیعی معلوم ہوتے ہیں،اور ان کی کتاب کا تقریبا بیس فیصدی حصہ اس لوط بن یحیی سے روایت کردہ ہے۔اس لئے یہ لوط بن یحییٰ محب اہل بیت نہیں بلکہ شیعی راوی ہے ،اور اسی کی روایات کی بدولت خود امام طبری بھی جرح سے محفوظ نہ رہ سکے۔لیکن حق جمہور کے ساتھ ہے۔

حضرت معاویہ باغی وظالم،مرتکب گناہ کبیرہ

حضرت معاویہ کے متعلق اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

چونکہ حضرت معاویہ نے امام برحق کی طاعت سے روگردانی کی تھی اور جنگ کر کے حد سے تجاوز اور ظلم کے مرتکب بھی ہوئے تھے اس لیے وہ اور ان کا گروہ باغی ٹھہرا (شرح خصائص علی ص887،ص860،طبع اول)

نیز لکھتے ہیں:۔

بہر کیف ناصبی لوگ خطائے اجتہادی کی نسبت پر چیں بہ چیں ہوتے رہیں لیکن صحابہ کرام کے نزدیک اقدام معاویہ اجتہادی خطا بھی نہیں کھلی ضلالت (گمراہی) تھی، یہی وجہ ہے کہ ردشعیت مین شہر کے حامل علماء کرام نے بھی اس اقدام معاویہ کو گناہ کبیرہ قرار دیا (شرح خصائص علی ص 877، ص 850، طبع اول)

مزید لکھا:۔

اور بلاشبہ حصول ملوکیت کے لیے حضرت معاویہ نے ہر طرح کی جائز و ناجائز کوشش کی تھی حتیٰ کہ بغاوت تک چلے گئے تھے، جسے علماء اہل سنت نے کبیرہ گناہ لکھا ہے۔ بہر حال وہ ایک متسلط بادشاہ تھے (شرح خصائص علی ص 941، ص 904، طبع اول)

ہم نہیں جانتے وہ کونسے سے علماء اہل سنت ہیں جنہوں نے حضرت معاویہ کے کہ اس قدم کو نعوذ باللہ ضلالت یا فسق یا گناہ کبیرہ سے تعبیر کیا ہو، بلکہ سب نے اسے اجتہادی خطاء سے ہی تعبیر کیا ہے۔ ردشیعت میں شہرت کے حامل افراد کا بھی یہی موقف ہے۔ جس پہ دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ ہم اختصار سے عرض کرتے ہیں۔ قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

حضرت علی اور حضرت معاویہ کے مابین جو واقعات رونما ہوئے۔ ان سے رکجانا چاہئے کیونکہ مجتہد اگر کسی رائے کی صحت تک پہنچ جاتا ہے تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔ اگر اس سے لغزش ہوجاتی ہے تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔ احادیث طیبہ میں ان لوگوں کے متعلق شدید وعید ہے جس نے حضور ﷺ کے کسی صحابی کو برے

الفاظ سے یاد کیا یا اس کی شان میں تنقیص کی **(السیر النبویہ ج2 ص436)**

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

و الظن بالصحابة فی تلك الحروب انهم كانو افیها متاو ولین وللمجتهد المخطی اجر و اذا ثبت هذا فی حق آحاد الناس فثبوته للصحابه بالطریق الاولی (الاصابة ج7 ص148)

نیز فرماتے ہیں:۔

و اتفق اهل السنة علی وجوب منع الطعن علی احد من الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذلك ولو عرف المحق منهم لانهم لم یقاتلو فی تلك الحروب الاعن اجتهاد و قد عفا الله تعالیٰ عن المخطیء فی الاجتهاد بل ثبت انه یوجر اجرا و احدا و ان لمصیب یوجر اجرین (فتح الباری ج12 ص34)

اہل سنت اس بات پر متفق ہیں[1] کہ صحابہ کے مابین واقع ہونے والے حوادث کی بنا پر ان میں سے کسی ایک صحابی پر طعن و تشنیع سے اجتناب واجب ہے، اگرچہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کا موقف باطل پہ تھا کیونکہ انہوں نے ان لڑائیوں میں صرف اپنے اجتہاد کی بناء پہ حصہ لیا۔اور اللہ تبارک و تعالیٰ[1] نے مجتہد مخطی کو معاف

---

[1] ملاحظہ ہو (احیاء العلوم ج1 ص20، شرح فقہ الاکبر ص71 تحریر الاصول ج2 ص260، الیواقیت ج2 ص226، مسلم الثبوت ج2 ص158، تفسیر قرطبی ج16 ص322، منہاج السنہ ج2 ص234، الابانۃ ص224)

فرمادیا ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ اس کے اجتہاد میں خطا ہو جائے

ان حوالہ جات سے واضح ہوا کہ یہ خطاء اجتہادی تھی، اب جہاں تک ہمارے مخاطب کا ردشیعیت پہ شہرت رکھنے والے علماء کی طرف اشارہ کرنا ہے، تو ہم ان کی عبارات پیش کئے دیتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب اہل سنت کے ایک عظیم مفسر ہیں جن کی مشہور کتاب السیف المسلول کو ردشیعیت پہ شہرت حاصل ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں:۔

بہرحال اس معاملہ میں حضرت معاویہ سے اجتہادی غلطی ہوئی (السیف المسلول ص374)

نیز لکھتے ہیں:۔

چونکہ حضرت معاویہ کا ارادہ بغاوت کا نہ تھا، بلکہ طلب قصاص کی بناء پر ایک اجتہادی غلطی کے مرتکب ہوئے، اس میں انکو ایک ثواب ملے گا، اس بناء پہ معاویہ اور ان کے ساتھی گنہگار نہیں قرار دیئے جاسکتے (السیف المسلول ص375)

ایسے ہی لکھا:۔

مگر اجتہادی غلطی کی بناء پہ یہ دعوت تھی، اس لئے وہ لوگ معذور ہیں (السیف المسلول ص378)

مزید لکھا:۔

اس لئے کہ صحابہ کی تمکین فی الارض ابتداء خلافت ابوبکر سے تا خلافت علی و حسن بلکہ تا خلافت معاویہ ثابت ہے (السیف المسلول ص380)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ جنہیں ردشیعیت کی پاداش میں سزا بھی برداشت کرنی پڑی

وہ لکھتے ہیں:۔

جاننا چاہئے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان ایک شخص تھے اصحاب رسول میں سے اور زمرہ صحابہ میں بڑے صاحب فضیلت تھے تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اوران کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہوگے (ازالۃ الخفاء ج 1 ص 571)

یہی شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

تمام صحابہ کے بارہ میں ہم اپنی زبانوں کو روکتے ہیں اور سوائے بھلائی اور خیر کے انکا ذکر نہیں کرتے۔وہ دین میں ہمارے مقتدا اور پیشوا ہیں، صحابہ کو گالی دینی حرام ہے (العقیدۃ الحسنۃ ص 96)

نیز لکھتے ہیں:۔

اور رہا یہ کہ معاویہ مجتہد مخطی تھے اور معذور تھے، تو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ شبہ کے ساتھ دلیل پکڑے ہوئے تھے (ازالۃ الخفاء ج 2 ص 525)

شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارات سے بھی اہل سنت کے موقف ہی کی تائید ہوتی ہے۔اب آگے چلیں، قاضی کرم الدین دبیر صاحب جو کہ ردشیعت کے حوالہ سے کافی شہرت رکھتے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:۔

شیعہ صاحبان حضرت معاویہ کو بہت کوستے ہیں۔کیونکہ انہوں نے جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کی۔اس کا جواب پہلے دیا جاچکا ہے۔کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کیوجہ سے ہوا۔۔۔اصحاب رسول تھے۔حضرت امیر معاویہ کاتب

وحی بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سالہ بھی تھے (آفتاب ہدایت ص 266)

یہی قاضی صاحب فسق کی نفی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

اگر حضرت امیر معاویہ معاذ اللہ فاسق و منافق ہوتے ۔ تو حضرت امام حسن ہرگز ان کی بیعت نہ کرتے بلکہ تلوار اٹھا کر ان سے مقابلہ کرتے ۔ جیسا کہ بعد میں امام حسین نے یزید لعین سے مقابلہ کیا (آفتاب ہدایت 267)

ایسے ہی لکھا:۔

حضرت علی، حضرت حسن اور امیر معاویہ میں جو کچھ ہوا اور جتنے واقعات مابین صحابہ اس قسم کے واقع ہوئے ۔ وہ محض خطا اجتہادی پر مبنی تھے (آفتاب ہدایت ص 271)

ایسے ہی امام اہلسنت جن کی ردشیعیت پہ خدمات کے اپنے تو اپنے غیر بھی معترف ہیں، ان کا موقف بھی یہاں پیش کرنا ضروری ہے۔ وہ فرماتے ہیں :۔

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُرنور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور پُرنور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولٰنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجّار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ کے سبقت و اولیت و عظمت و اکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہِ حضرت رسالت بھلا دے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالےٰ ہم

اہلِ توسط واعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، (فتاوی رضویہ ج10 ص35)

نیز رقم طراز ہیں:۔

روافض کا قول کذب محض ہے، عقائد نامہ میں خطا و منکر بود نہیں ہے بلکہ خطائے منکر بود۔ اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو قسم ہے، مقرر و منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطاء یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، بایں ہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مداخلت حرام ہے، (فتاویٰ رضویہ ج29 ص54)

ایسے ہی حضرت معاویہ کے متعلق سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

اُس کا جواب بھی جواب اوّل سے واضح ہو چکا، بلاشبہہ اُن کی خطا خطائے اجتہادی تھی اور اس پر الزامِ معصیت عائد کرنا اس ارشاد الٰہی کے صریح خلاف ہے (فتاوی رضویہ ج29 ص36)

علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی لکھتے ہیں:۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقیناً حق پر

تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گروہ یقیناً خطا کا مرتکب تھا۔ لیکن چونکہ ان لوگوں کی خطا اجتہادی تھی لہٰذا یہ لوگ گنہگار نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی مجتہد اگر اپنے اجتہاد میں صحیح اور درست مسئلہ تک پہنچ گیا تو اس کو دوگنا ثواب ملے گا اور اگر مجتہد نے اپنے اجتہاد میں خطا کی جب بھی اس کو ایک ثواب ملے گا (سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص 763)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت معاویہ کی خطاء اجتہادی تھی اور یہی اہل سنت کا موقف ہے۔ اب جہاں تک موصوف کا صحابہ کرام کا نام لینا تو اولا تو ہمارے مہربان کو ان اقوال کی اسناد کو صحیح ثابت کرنا ہوگا، اور بالفرض اگر اسناد صحیح بھی ہوں تو صحابہ کے آپسی تبصرے حجت نہیں، اور ان اقوال کی تاویل کی جائے گی، وگرنہ بہت سی چیزیں خود حضرت علی کے خلاف جاسکتی ہیں، ہم تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک روایت کی جانب معزز قارئین کی توجہ مبذول کئے دیتے ہیں، مجمع الزوائد میں ہے:۔

قال عمار بن ياسر يوم صفين ، وذكر أمرهم وأمر الصلح ، فقال: والله ما أسلموا ، ولكن استسلموا وأسروا الكفر ، فلما رأوا عليه أعوانا أظهروه

ہم اس روایت کی تخریج و ترجمہ سے گریز کرتے ہوئے محض اتنا عرض کرتے ہیں کہ یہاں جو موقف حضرت عمار کا درج ہے، اس زد میں صرف حضرت معاویہ نہیں بلکہ دیگر بہت صحابہ کرام جو صفین میں حضرت معاویہ کے حق میں تھے، اسی فتوے کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ یہاں تک یہ فتویٰ حضرت علی پہ بھی لوٹتا ہے، اس لئے کہ حضرت علی صفین

والوں کو مسلمان تسلیم کرتے ہیں، اور کافر کو مسلمان کہنے والا کیا کہلاتا ہے، اس سے فیضی صاحب بخوبی واقف ہونگے۔ بہر حال اس قسم کے تبصرے روایتا ودرایتا قابل تسلیم نہیں۔ پھر صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس وحضرت علی کا حضرت ابو بکر کے متعلق موقف کچھ یوں بیان کیا:۔

فرأيتماه كاذباً آثماً غادراً خائناً...

اب اسے راوی کا ادراج کہا جائے یا کوئی اور تاویل کی جائے، لیکن درصورت تسلیم یہ الفاظ حضرت ابو بکر کی ذات کو مجروح کرتے ہیں، بلکہ حضرت علی کی ذات پہ بھی حرف آتا ہے کہ وہ بیعت کرنے میں مخلص نہ تھے، اس لئے ہر خلیفہ پہ اعتراض کرتے رہے، حضرت ابو بکر نے جب حضرت عمر کو خلیفہ بنایا تو حضرت علی نے کچھ اس طرح اعتراض کیا:۔

قالا فماذا أنت قائل لربك

کیا ان روایات کی بناء پہ حضرت ابو بکر وحضرت عمر پہ اعتراض کیا جائے گا؟ یا یہاں فیضی صاحب کچھ دوسرا راستہ تلاش کرنے کی سعی فرمائیں گے۔ پھر حضرت علی کے بارے میں حضرت عباس کے الفاظ بھی فیضی صاحب کے لئے قابل عبرت ہیں۔ ثانیا موصوف اگر اس طرح روایات کے ظاہر سے موصوف کے نزدیک حضرت معاویہ کی بیعت گمراہی بیعت قرار پاتی ہے تو کوئی ناصبی حضرت علی پہ بھی اعتراض کر سکتا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے:۔

حضرت طلحہ نے فرمایا کہ مجھے کھجور کے باغ میں داخل کیا گیا اور تلوار میری گردن پر رکھ دی گئی پھر کہا گیا کہ تم بیعت کردو گرنہ ہم تمہیں قتل کردیں گے میں نے بیعت کر لی

پر تھی پھر مجھ سے کہا گیا کہ بیعت کرو ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے پس میں نے بیعت کر لی (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 38930، ج 11 ص 737)

کیا اس روایت کی بناء پہ یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت علی بیعت گمراہی کی بیعت تھی اور یہ بیعت تلوار کے زور پہ قائم ہوئی ؟ ایسے ہی موجود ہے:۔

پس لوگوں نے جواب دیا طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم میں نے سنا ان میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا ہمارے ہاتھوں نے بیعت کی ہمارے قلوب نے نہیں (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 38931، ج 11 ص 738)

پھر علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرمایا:

ومن يكون يطعن فی معٰوية فذالك كلب من كلاب الهاوية

۔جو امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتّوں سے ایک کُتا ہے (فتاویٰ رضویہ ج 29 ص 44)

فیضی صاحب کو اس پہ بھی اعتراض ہے، جواباً عرض ہے کہ صحابی کی تنقیص یا صحابی پہ طعن کو ائمہ اہل سنت نے بدعت کہا ہے اور بدعتی جہنم کا کتا ہے۔ اللہ رب العزت نے چاہا تو اس پہ کچھ کلام جلد دوئم کے مقدمہ میں عرض کر دیا جائے گا۔

حضرت خواجہ شاہ نظام الدین سلیمانی محمودی تونسوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

پرلے درجے کی بدنصیبی ہوگی کہ اصحاب رسول کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ماموں ہیں، ماموں کی شان میں چہ میگوئی کرنا بدخصلت انسان کا کام ہے (تذکرہ شاہ نظام الدین سلیمانی محمودی رحمۃ اللہ علیہ، تحت ارشادات، ص212، 250، 252،)

حضرت معاویہ کے کاتب وحی ہونے کا انکار

ایسے ہی موصوف لکھتے ہیں:۔

جب لوگوکو اہل تحقیق محدثین کی کتب معتمدہ سے کوئی صحیح اور مرفوع حدیث نبوی دستیاب نہیں ہوئی تو انہوں نے بنظریہ دفاع حضرت معاویہ کے نام کے ساتھ ہمیشہ کے لئے کاتب وحی کا لفظ منتھی کر دیا گیا، حالانکہ انہیں صحبت نبوی کے فقط دو سال میسر آئے تھے (شرح خصائص علی ص948، طبع اول)

اولا تو خود موصوف حضرت معاویہ کا کاتب وحی ہونا تسلیم کر چکے ہیں، جیسا کہ اوراق سابقہ پہ ان کا حوالہ ہم درج کر چکے ہیں۔ اب ہم دلائل سے حضرت معاویہ کا کاتب وحی ہونا بیان کئے دیتے ہیں۔ امام جمال الدین یوسف بن حسن کاتبین وحی اور خطوط وفرامین لکھنے والے صحابہ کرام کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

أبو بكر الصديق، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان، علی بن أبي طالب، أبان بن سعيد، أبي بن كعب، أرقم بن أبي الأرقم، ثابت بن قيس، حنظلة بن الربيع، أبو رافع القبطي، خالد بن سعيد، خالد بن الوليد، الزبير بن العوام، زيد بن ثابت، سعد بن ابي السرح، السجل، عامر بن فهيرة، عبد الله بن الأرقم، شرحبيل

بن حسنة، عبد الله بن مسعود، العلاء بن الحضرمي، العلاء بن عقبة، محمد بن مسلمة، معاوية بن أبي سفيان، المغيرة بن شعبة، عبد الله زيد.

علامہ مقدسی فرماتے ہیں:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کتابت وحی پر جو اصحاب مامور تھے وہ یہ ہیں: حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، حضرت سیدنا عمر بن خطاب، حضرت سیدنا عثمان بن عفان، حضرت سیدنا علی بن ابی طالب، حضرت سیدنا ابان بن سعید، حضرت سیدنا ابی بن کعب، حضرت سیدنا ارقم بن ابی ارقم، حضرت سیدنا ثابت بن قیس، حضرت حنظلہ بن ربیع، حضرت سیدنا ابو رافع قبطی، حضرت سیدنا خالد بن سعید، حضرت سیدنا خالد بن ولید، حضرت سیدنا زبیر بن عوام، حضرت سیدنا زید بن ثابت، سعد بن ابی سرح، حضرت سیدنا سجل، حضرت سیدنا عامر بن فہیر ہ، حضرت سیدنا عبد اللہ بن ارقم ،حضرت سیدنا شرحبیل بن حسنہ، حضرت سیدنا عبد اللہ بن مسعود، حضرت سیدنا علاء بن حضرمی، حضرت سیدنا علاء بن عقبہ، حضرت سیدنا محمد بن مسلمہ، حضرت سیدنا معاویہ بن ابی سفیان، حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ، حضرت سیدنا عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہم۔ (الشجرة النبوية فی نسب خير البرية ﷺ، لامام جمال الدين يوسف بن حسن بن عبد الهادی المقدسی (ابن المبرد)، تحت " كتاب النبی ﷺ، ص 151 تا 152)

امام زین الدین العراقی فرماتے ہیں:۔

كتابه اثنان و أربعونا

زید بن ثابت و کان حینا

کاتبه، وبعده معاویة

إبن أبی سفیان کان واعیه

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین کی تعداد 42 ہے ایک حضرت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ تھے جو ایک عرصہ تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتب رہے ان کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کتابت کے نگران ہوئے (الفیة السیرة النبویة المسماة نظم الدرر السنیة فی السیرة الزکیة، لامام زین الدین عبد الرحیم بن الحسین العراقی، ذکر کتابه، ص 123)

حافظ ابوبکر محمد بن حسین آجری بغدادی (متوفی 360ھ) فرماتے ہیں:۔

معاویة رحمه الله کاتب رسول الله صلی الله علیه وسلم علی وحی الله عزوجل وهو القرآن بامر الله عزوجل، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب سیدنا امیر معاویہ پر اللہ رحم فرمائے آپ اللہ کے حکم سے وحی الٰہی؛ قرآن پاک لکھا کرتے تھے۔ (الشریعہ کتابت فضائل معاویة جلد نمبر 5 صفحہ نمبر 2431)

حافظ الکبیر امام ابوبکر احمد بن حسین خراسانی بیہقی (متوفی 458ھ) فرماتے ہیں: و کان یکتب الوحی، سیدنا امیر معاویہ کاتب وحی تھے۔ (دلائل النبوة ج 6 ص 243)

امام شمس الائمہ ابوبکر محمد بن سرخسی حنفی (متوفی 483ھ) فرماتے ہیں:۔

وکان کاتب الوحی۔(المبسوط کتاب الاکراہ ج24 ص47)

امام قاضی ابوالحسین محمد بن محمد حنبلی (ابن ابی یعلی) (متوفی 526ھ) فرماتے ہیں:۔

(معاویۃ) کاتب وحی رب العلمین ، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمام جہانوں کے رب کی وحی کے کاتب تھے۔(الاعتقاد۔الاعتقاد فی الصحابۃ ص43)

امام حافظ ابوقاسم اسماعیل بن محمد قرشی طلیحی (قوام السنۃ) (متوفی 535) فرماتے ہیں:۔

معاویۃ کاتب الوحی۔(الحجۃ فی بیان المحجۃ ج2 ص570 رقم566) .

علامہ ابوالحسن علی بن بسام الشنترینی اندلسی (متوفی 542ھ) فرماتے ہیں:

معاویۃ بن ابی سفیان کاتب الوحی۔(الذخیرۃ فی محاسن اہل الجزیرۃ ج1 ص110

حافظ ابوعبداللہ حسین بن ابراہیم جوزقانی (متوفی 543ھ) فرماتے ہیں:

(معاویۃ) کاتب الوحی ۔(الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاہیر باب فی فضائل معاویۃ ص116 رقم191)

علامہ ابوالفتوح محمد بن محمد طائی ہمذانی (متوفی 555ھ) فرماتے ہیں:۔

معاویۃ کاتب وحی رسول رب العلمین و معدن الحلم والحکم ،

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ رسول رب العلمین کے کاتب وحی اور حلم و دانائی کے کان تھے۔(کتاب الاربعین فی ارشاد السائرین ص174)

امام حافظ ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ شافعی (ابن عساکر) (متوفی 571) فرماتے ہیں:

(معاویۃ رضی اللہ تعالی عنہ) خال المؤمنین وکاتب وحی رب العلمین، حضرت امیر معاویہ تمام مؤمنوں کے خالو ہیں اور تمام جہانوں کے رب کی وحی کے کاتب ہیں۔ (تاریخ دمشق الکبیر ذکر من اسمہ معاویۃ، معاویۃ بن ابی سفیان بن صخر ج 59 ص 55 رقم 7510)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر قرشی شافعی (متوفی 774) لکھتے ہیں:۔

ثم کان ممن یکتب الوحی بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر (حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) ان میں سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے وحی لکھتے تھے۔ (جامع المسانید والسنن الھادی ج 8 ص 31 رقم 1760)

حافظ ابراھیم بن موسی مالکی شاطبی (متوفی 790ھ) نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کتاب وحی میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر فرمایا۔ (الاعتصام صفحہ نمبر 239)

علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن علی حسینی مقریزی (متوفی 845ھ) فرماتے ہیں:۔

و کان یکتب الوحی، حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی تھے ۔(امتاع الاسماع اجابۃ اللہ دعوۃ الرسول ج 12 ص 113)

امام حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی (متوفی 852ھ) لکھتے ہیں:

معاویۃ بن ابی سفیان، الخلیفۃ صحابی اسلم قبل الفتح و

کتب الوحی، سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلیفہ ہیں صحابی ہیں آپ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور وحی کی کتابت فرمائی۔ (تقریب التھذیب حرف المیم ص470 رقم 6758)

امام حافظ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی (متوفی 855) لکھتے ہیں:۔

معاویة بن ابی سفیان صخر بن حرب الاموی کاتب الوحی۔
(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین ج2 ص73 رقم 71)

علامہ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی مصری شافعی (متوفی 923) لکھتے ہیں:۔

وھو مشھور بکتابۃ الوحی، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور کاتب وحی ہیں۔ (المواھب اللدنیۃ الفصل السادس ج1 ص533)

علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں بھی لکھا ہے :۔

معاویة بن ابی سفیان بن صخر بن حرب کاتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذا المناقب الجمعة۔ (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ ج1 ص170 رقم 71)

امام حافظ شہاب الدین ابو العباس احمد بن محمد (ابن حجر) ہیتمی مکی شافعی (متوفی 974ھ) لکھتے ہیں:۔

معاویة بن ابی سفیان اخی ام حبیبة زوجة رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کاتب الوحی ،حضرت سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالی عنہ سیدہ ام حبیبہ زوجہ رسول رضی اللہ تعالی عنہا وصلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی اور کاتب وحی ہیں۔(الصواعق المحرقہ صفحہ نمبر 355)

علامہ عبدالملک بن حسین بن عبدالملک عاصمی مکی (متوفی 1111ھ) نے لکھا ہے:۔

معاوية و كان يكتب الوحی ۔(سمط النجوم العوالی ج3 ص55)

علامہ اسماعیل بن مصطفیٰ حقی حنفی (متوفی 1127ھ) لکھتے ہیں:۔

معاوية رضی الله تعالی عنه كاتب الوحی ۔ (تفسیر روح البیان جزء 1 تحت سورۃ بقرۃ آیت 90 ج1 ص180)

امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن عظیم کی عبارت کریمہ نازل ہوتی عبارت میں اعراب نہیں لگائے جاتے (تھے) حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثل: امیر المؤمنین عثمان غنی وحضرت زید بن ثابت وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالی عنہم اسے لکھتے ؛ان کی تحریر میں بھی اعراب نہ تھے، یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے ، اللہ تعالی اعلم ۔ (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ج 26 ص 493/492)

شارح بخاری علامہ سید محمود احمد رضوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

ایمان لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ خدمت نبوی سے جدا نہ ہوئے ہمہ وقت پاس رہتے اور وحی الہی کی کتابت کرتے ۔(شان صحابہ؛ امیر

معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام ص32)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم کے خطوط اور وحی الٰہی لکھا کرتے تھے۔ (مدارج النبوت جلد دوم صفحہ نمبر620 مترجم مطبوعہ شبیر برادرز اردو بازار لاہور)

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلّم) اور کاتب وحی اور وحی الٰہی کے امین ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوسروں پر قیاس مت کرو۔ (کتاب الشفا مترجم اردو جلد نمبر1 صفحہ نمبر61)

حضرت معاویہ کے خال المومنین ہونے کا انکار

ایسے ہی موصوف رقم طراز ہیں :۔

اسی طرح جب بالتحقیق فضائل معاویہ میں کوئی صحیح اور صریح مرفوع حدیث نبوی دستیاب نہ ہوسکی تو مدافعانہ نکتہ نظر سے حضرت معاویہ کو خال المومنین (مومنوں کا ماموں) کہا جانے لگا جو کہ نا جائز ہے (شرح خصائص نسائی ص949)

نیز لکھا :۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مقدسہ فقط تعظیما اور ادبا تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں، نسبا نہیں، اسی لیے ان کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں

تصریح ہے اور نہ ہی ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنیں اور ان کے بھائی بہن مسلمانوں کے ماموں اور خالائیں ہیں (شرح خصائص علی ص ص 949)

قارئین! اس مقام پہ مفسرین نے اس نسبت کی نفی حقیقی نسب اور اس کے احکام کے اعتبار سے کی ہے، وگرنہ مجازاً خال المومنین کا اطلاق اسلاف امت سے ثابت ہے (السنۃ ج 2 ص 433، تاریخ الثقات ص 128-129، الفتاوی البزازیہ ج 2 ص 463، اعلام اخیار ج 1 ص 92، تاریخ مدینہ دمشق ج 69 ص 148، لوائح الانوار ج 2 ص 74-75، شرح مذاہب اھل السنۃ ص 322، الشریعہ ص 781، الفتوحات المکیہ ج 2 ص 207، التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج 3 ص 343، الاعتقاد ص 43، الشرح والابانۃ ص 300، لمعۃ الاعتقاد ص 155، فضائل حضرت معاویہ ص 19، دلائل النبوۃ ج 3 ص 459، تفسیر الدر المنثور ج 28 ص 130، مجموعہ رسائل علی قاری ج 5 ص 165، مثنوی دفتر دوم ص 317-320)

تقیہ ایک شرعی حقیقت

میری ان سے گذارش ہے کہ بلاشبہ تقیہ ایک شرعی حقیقت ہے لیکن ناصبیت کا حملہ کا حالیہ حملہ کوئی معمولی حملہ نہیں ہے، لہٰذا خدارا اپنی آواز بلند فرمائیں (الاحادیث الموضوعۃ ص 10)

تقیہ کو ایک شرعی حقیقت ماننا یہ بھی روافض کا موقف ہے اور موصوف نے اسے تسلیم کر کے روافض سے اپنے قلبی تعلق کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ موصوف درحقیقت رافضی ہیں، فقط اہل سنت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں، لیکن یہ جملے ان کے چہرے سے نقاب ہٹا کر ان کی رافضیت کو عیاں کرنے کے لئے کافی ہیں۔ اب جہاں

تک تقیہ کا تعلق ہے تو اسلام میں تقیہ ہرگز جائز نہیں۔ائمہ اسلاف سے اس کی مذمت میں اقوال موجود ہیں۔اوراق کی تنگی کے باعث ہم موصوف کے متعلق گفتگو کو یہی ختم کرتے ہیں، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو مزید تبصرہ آئندہ جلدوں میں کر دیا جائے گا۔

5۔ڈاکٹر طاہر القادری

ڈاکٹر صاحب کا شمار کبھی بھی اکابرین اہل سنت میں نہیں ہوا، وہ شروع شروع میں اہلِ سنّت کے عالم دین کے طور پر نمودار ضرور ہوئے، مگر جلد ہی انہوں نے اس لبادہ کو اتار کر اپنے اصلی نظریات کا اظہار کرنا شروع کر دیا، جس پر علماء اہل سنت نے واضح فتاویٰ جات دیئے کہ ڈاکٹر صاحب کا اہلِ سنّت سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم یہاں ان کے چند نظریات سے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ ڈاکٹر صاحب کے نظریات اہلِ سنّت کے متصادم ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''سلطنت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل یعنی براہ راست نائب ہوئے۔ ولایت میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ بلا فصل یعنی براہ راست خلیفہ ہوئے۔'' (السیف الجلی علی منکر ولایت علی ص ۸)

نیز لکھتے ہیں:۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت فرائض خلافت اقامت دین اور امت کی ذمہ داریوں سے متعلق ہے آئمہ نے جو ترتیب بیان کی ہے وہ خلافت ظاہری کی ترتیب پر قائم ہے (القول الوثیق صفحہ 41)

جبکہ ڈاکٹر صاحب کی یہ بات ہرگز درست نہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ولایت میں بھی اس امت کے امام ہیں۔ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صوفیاء کرام نے ترک دنیا اور حرص و منزلت کے چھوڑنے کو فقر پر اور ترک ریاست کی تمنا کو اس لیے پسند کیا کہ دین میں

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے امام ہیں اور طریقت میں آپ تمام صوفیاء کے امام خاص ۔" (کشف المحجوب ص ۱۱۷، مترجم)

ایسے ہی ایک اور صوفی بزرگ لکھتے ہیں:

آدمیوں میں سب سے بزرگ، بعد وجود مبارک حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے، حضرت ابو بکر صدیق بن قحافہ ہیں رضی اللہ عنہ۔ بعد ان کے حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ۔ بعد ان کے حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ۔ بعد ان کے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

(عقائد نظامیہ ص ۱۸)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ نظریہ اہلِ سنّت کے مطابق نہیں۔ ڈاکٹر صاحب سنی شیعہ اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایمان میں چھ ارکان ہیں: ا۔ایمان باللہ ۲۔ایمان بالملائکہ ۳۔ایمان بالکتب ۴۔ایمان بالرسل ۵۔ایمان بالآخرہ ۶۔ایمان بالقدر

Theory کے ان چھ اصولوں پر شیعہ اور سنی مکتب فکر میں کوئی اختلاف نہیں۔" (مناظرہ ڈنمارک ص ۱۹)

ایسے ہی ڈاکٹر صاحب نے سنی شیعہ اختلاف کو تاریخی اور فروعی قرار دیا۔ (مناظرہ ڈنمارک ص ۲۰)

ڈاکٹر صاحب کا یہ کہنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ شیعہ حضرات کے عقائد و نظریات

اس پر شاہد ہیں کہ مذکورہ بالا عقائد میں وہ ہم سے اکثر میں مختلف ہیں۔ دوئم ان کے اصول دین ہی ہم سے جدا ہیں، ڈاکٹر صاحب تجاہل عارفانہ کا شکار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ موصوف کی رسائی ہی شیعہ کتب تک نہ ہو سکی ہو، اس لئے ہم کچھ تفصیل شیعہ حضرات کے عقائد رقم کرنا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے نظریات ان کے مماثل ہوں تو ہم اس کے بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے مگر مسلک اہلِ سنّت اور اہل تشیع کا اختلاف ہرگز فروعی نہیں اصولی ہے۔ شیعہ حضرات خداوند قدوس کے لیے ''بداء'' کے قائل ہیں، اصول کافی میں اس مسئلہ پر مکمل باب موجود ہے، جبکہ ہم عقیدہ شنیعہ کو ہرگز درست نہیں سمجھتے، اسی طرح اہل تشیع حضرات ''تحریف قرآن'' کے قائل ہیں، مقبول احمد دہلوی کے ترجمہ قرآن میں ہے:

''معلوم ہوتا ہے کہ جب قرآن میں ظاہر اعراب لگائے گئے ہیں تو شراب خور خلفاء کی خاطر ''یعصرون کو یعصرون سے بدل کر معنی کو زیر و زبر کیا گیا (ترجمہ مقبول احمد دہلوی ص ۴۷۹)

یہی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے مبسوط معنی لکھنے کے۔ ان حضرات کا یہ قول درج ہے کہ تنزیل اسی طرح تھی کہ واذ اخذ اللہ میثاق امم النبیین مگر بعد میں لفظ امم گرا دیا گیا (ترجمہ مقبول احمد دہلوی ص 71)

نیز:۔

تفسیر قمی میں ہے کہ اصل تنزیل میں جاوک کے بعد یا علی تھا (ترجمہ مقبول احمد دہلوی ص75)

اسی طرح ''ترجمہ فرمان علی'' میں ہے:

''اس آیت کو درمیان سے نکال لو اور ماقبل و مابعد کو ملا کر پڑھو تو کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ بلکہ ربط اور بڑھ جاتا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت اس مقام کی نہیں بلکہ خواہمخواہ کسی خاص غرض سے داخل کردی گئی ہے۔ (ترجمہ فرمان علی ص ۷۵۶)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خدا نے اہلبیت میں داخل کیا ہے کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں جتنا خطاب حضرت سارہ کی طرف ہے واحد مونث حاضر کے صیغہ میں اور اس آیت میں ضمیر کم جمع مذکر حاضر کی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب کچھ اور لوگ ہیں اور یہ آیت یہاں خوامخواہ داخل کر دی گئی ہے (ترجمہ فرمان علی ص366)

ملاں باقر مجلسی امام مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

پھر قرآن کو پڑھیں گے جس طرح کہ حق تعالیٰ نے جناب رسول خدا پر نازل فرمایا تھا۔ بغیر اس کے کچھ ردو بدل ہوا ہو۔ جیسا کہ دوسرے قرآنوں میں ہوا (حق الیقین ج2 ص31)

یہی مجلسی صاحب لکھتے ہیں:۔

اور بصائر میں امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خدا نے زمین میں تین محترم چیزیں

قرار دیں۔قرآن۔میری عترت اور خانہ خدا ہے۔لیکن قرآن میں لوگوں نے تحریف کی اور تغیر کر دیا (حیات القلوب ج3 ص87)

عبدا کریم مشتاق لکھتا ہے:۔

جب آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ کا پورے قرآن پر ایمان ہے تو اس سے مراد موجود قرآن ہوتا ہے۔جب کہ دعویٰ قرآن ہے کہ اس میں ہر خشک وتر کا بیان موجود ہے جب کہ آپ کے اعتقاد کردہ کل قرآن میں وجود پاکستان کا ذکر نہیں مل پاتا مگر ہم جس پورے قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اس میں جو کچھ گذر چکا اور جو کچھ گذرنے والا ہے ہر امر کا بیان موجود ہے (ہزار تمہاری دس ہماری ص554)

علامہ عبداللہ شبر لکھتے ہیں:۔

بلاشبہ وہ قرآن جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا وہ اس سے کہیں زیادہ تھا جو آج ہمارے ہاتھوں میں ہے،اس میں سے ایک بہت بڑا حصہ چھوڑ دیا گیا ہے جس طرح کہ اس بات پر یک دوسرے کی معاونت کرنے والی روایات جو متواتر ہونے کے قریب ہیں ولالت کر رہی ہیں اور بلاشبہ ہم نے اس بات کی وضاحت اپنی کتاب منیۃ المحصلین فی حقیقۃ طریقۃ المجتھدین میں کردی ہے (مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار ص295)

شیخ الجزائری رقم طراز ہیں:۔

بلاشبہ قرآن کریم کی حفاظت وحسانیت والا قول،ان مشہور روایات بلکہ متواتر روایات کو چھوڑنے کی طرف لے جارہا ہے جو قرآن کریم میں تحریف واقع ہونے کی دلالت کرنے والی ہیں۔۔۔باوجود اس کے ہمارے اصحاب نے ان روایات کی صحت پر اتفاق کیا ہے اوران کو سچا مانا ہے (الانوار النعمانیہ ج2 ص35)

ایسے شیعہ حضرات کے عظیم مجتہد اور خاتم المحدثین علامہ نوری طبرسی م 1320ھ نے اسی موضوع پر فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔آیت اللہ العظمی مکارم شیرازی لکھتے ہیں:۔

دونوں طرف کے چند گنے چنے افراد اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن مجید میں کمی ہوئی ہے۔۔۔۔اسی طرح ایک کتاب (فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب) کے نام سے شیعہ محدث حاجی نوری کے توسط سے لکھی گئی جو 1291 ہجری قمری میں شائع ہوئی۔اس کتاب کے شائع ہوتے ہی حوزہ علمیہ نجف اشرف کے بزرگ علماء نے اس کتاب کے مطالب سے اظہار برائت کیا ہے اور اس کتاب کی جمع آوری کا حکم دیدیا۔اور اس کے بعد کئی کتابیں اس کے رد میں لکھی گئیں (شیعہ جواب دیتے ہیں ص 13-14)

ابوالقاسم الموسوی الخوئی رقم طراز ہیں:۔

البتہ شیعوں میں محدثین کی ایک جماعت اور کچھ علمائے اہل سنت تحریف کے قائل ہیں (تحریف قرآن ایک باطل نظریہ ص 8)

سید نوراللہ شوستری لکھتے ہیں:۔

بعض لوگوں نے شیعوں کی طرف یہ نسبت دی ہے کہ وہ قرآن میں تبدیلی کے قائل ہیں لیکن یہ سارے شیعوں کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ ان میں سے بہت سے تھوڑے سے افراد ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسے افراد شیعوں کے ہاں مقبول نہیں ہیں (آلاء الرحمٰن ص 25 بحوالہ شیعہ جواب دیتے ہیں ص 112 از سید رضا

حسینی نسب)

محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں:۔

ہاں یہ درست بعض علماء کرام تحریف کے قائل ہیں۔لیکن یہ امر محتاج بیان نہیں کہ کسی اختلافی مسئلہ میں کسی مذہب کے بعض علماء کا نظریہ خصوصا جب کہ وہ اکابر علماء مذہب کے نظریہ سے متصادم ہو۔اسے پورے مذہب کا نظریہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔جو علماء کرام اس نظریے کے قائل ہیں وہ بھی اپنے اس نظریہ کی صحت پر دلائل رکھتے ہیں (احسن الفوائد ص 491)

ایسے ہی رقم طراز ہیں:۔

جو حضرات اس نظریہ کے قائل ہیں وہ بھی کچھ دلائل رکھتے ہیں۔اوران کا یہ نظریہ محض بے دلیل نہیں ہے اور یہ کہ ان کے اس نظریہ سے کسی اسلامی مسلمہ عقیدہ کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی (احسن الفوائد ص463)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ شیعہ حضرات تحریف کے قائل ہیں، باقی یہ کہنا کہ کچھ لوگوں کے قائل ہونے سے باقی کو قائل کہنا درست نہیں، تو عرض ہے کہ جب آپ یہ تسلیم کررہے ہیں کہ ان کے پاس دلائل ہیں اور اس بناء پہ ان کی تکفیر ممکن نہیں تو یہ بذات خود قرآن کو مشکوک بنانے کے مترادف ہے، جو اصل میں ان کی تائید ہی ہے۔اسی طرح ''اثناء عشریہ'' صحابہ کرام کے ایمان کو مشکوک قرار دیتے ہیں، اور اکثر کو ایمان سے تہی دامن سمجھتے ہیں، ''فروع کافی'' وغیرہ میں صاف موجود ہے کہ تین صحابہ کے سوا باقی سب معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے:

''کان الناس اهل ردة بعد النبی ﷺ واله الا ثلثه فقلت ومن

ثلثهفقال المقداد بن الاسود و ابو ذر غفاری و سلمان الفارسی"(فروع کافی کتاب الروضہ ج ۳ ص ۱۱۵)

اور اس روایت کے متعلق ابو معصب جوادی لکھتے ہیں:

"اگر اس روایت کو تسلیم کر ہی لیا جائے تو اس سے کوئی سقم پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہی مفہوم احادیث میں موجود ہے چنانچہ احادیث رسول سے یہ واضح طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد بہت سے اصحاب جادہ حق سے ہٹ گئے تھے"

(تحقیقی دستاویز ص ۶۱)

شیعہ حضرات کے مجتہد محمد حسین لکھتے ہیں:

"ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے، وہ صرف اور صرف اصحاب ثلاثہؓ کے بارے میں ہے۔ اہل سنت انکو بعد از نبی تمام اصحاب بلکہ تمام امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولت ایمان وایقان اور اخلاص سے تہی دامن مانتے ہیں۔" (تجلیات صداقت ص ۲۱۶)

اب ہم فیصلہ اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں کہ کیا یہ اختلافات فروعی ہیں؟ جن کے نزدیک معیار ایمان ہی ایمان سے تہی دامن ہوں، ان سے اختلاف تاریخی درجہ کا ہوتا ہے؟ یہ بات مسلم ہے ہمیں "دین" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے توسط سے ملا اگر ان کا اخلاص ہی مشکوک کر دیا جائے تو "دین" متین کا اپنی اصلی حالت میں رہنا کیسے قابل یقین ہو سکتا ہے؟ ہماری ان گزارشات سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارا اختلاف فروعی نہیں، اصولی ہے۔ اور اس قسم کے نظریات کی بناء پر اور ایسے نظریات کو تسلیم کرنے والے تشیع حضرات کی تکفیر کی گئی ہے۔ جس پر مجدد الف ثانی، شاہ ولی

اللہ، شاہ عبدالعزیز اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہم کی کتب بطور شاہد پیش کی جاسکتی ہیں۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بھی اہلِ سنّت کے نظریات سے متصادم ہے۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ خود ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

یہ عقیدہ رکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد تین چار صحابہ کے سوا سب صحابہ مرتد ہو گئے تھے...... ان سب کا کفر قطعی اور یقینی ہے (لفظ بدعت کا اطلاق ص ۱۰۹)

جن کا کفر یقینی ہو ان سے اختلاف کو فروعی تعبیر کرنا، اسے جہالت ہی کہا جاسکتا ہے، اور ایسے شخص کو شیخ الاسلام کہنے والے کو بھی دعوت فکر دی جاتی ہے۔

ایسے ہی جناب لکھتے ہیں:

"ہمارے نبی کی ختم نبوت پر کوئی اختلاف نہیں۔" (مناظرہ ڈنمارک ص ۲۰)

یہ بات بھی جناب کے سطحی مطالعہ اور تجاہل کا بین ثبوت ہے، اگر جناب نے اہل تشیع کی کتب کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا کی ہوتی تو اس قسم کی غیر تحقیقی بات ہرگز نہ کرتے۔ شیعہ حضرات کا عقیدہ امامت درپردہ ختم نبوت کا انکار ہے۔ ذیل میں شیعہ حضرات کے اپنے ائمہ کے متعلق نظریات درج کیے جاتے ہیں۔ ملاں باقر مجلسی لکھتے ہیں:۔

"امامت کا مرتبہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا منصب نبوت کے مثل ہے۔ اگر امام لوگ اختیار کر سکتے تو نبی کو بھی اختیار کر سکتے ہیں اور یہ باتفاق باطل ہے۔ ایضا عام بندوں کی مصلحتوں کے بارے میں امت کی ناقص عقل کب حکم کر سکتی ہے۔ صاحب تدبیر عقلاء بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی شہر یا حکومت کے انتظام کے

لئے مقرر کرتے ہیں اور تھوڑی مدت میں ظاہر ہوتا ہے کہ غلطی کی ہے اور اس کو بدل دیتے ہیں لہذا عام مخلوق کی دین و دنیا کی ریاست وحکومت کے لئے لوگوں کی عقلیں کیونکر وفا کرسکتی ہیں۔ ایضا اس عہدہ کے لئے عصمت شرط ہے جیسا کہ معلوم ہوگا اور کوئی شخص سوائے خدا تعالیٰ کے اس پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ اس بارے میں عقلی دلیلیں بہت ہیں۔ جن کی گنجائش اس رسالہ میں نہیں ہے۔ لیکن جو آیتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ امام خدا کی جانب سے منصوب ہوتا ہے۔ ان میں چند آیتوں کے ذکر، پر ہم اکتفاء کرتے ہیں'' (حق الیقین ج ۱ ص ۴۶)

سید منظور حسین صاحب نقوی اپنا عقیدہ یوں تحریر کرتے ہیں:۔

''انبیائؑ و مرسلین کی طرح امام بھی منصوص و مامور من اللہ ہوتے ہیں'' (تحفۃ العوام ص ۳۵)

استاد شیخ محمد رضا مظفر شیعہ حضرات کا ائمہ کے متعلق نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

''ہمارا عقیدہ ہے کہ نبوت کے منصب کی طرح امامت کا منصب بھی خدا کی جانب سے بندوں کے لئے ہوتا ہے اور امام کا یہ تقرر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا پچھلے امام کی زبان سے ہوتا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یا پچھلے امام کی طرف سے مقرر ہوتا ہے۔ اس معاملے میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امام میں کوئی فرق نہیں ہے اور لوگ اس ذات کی نسبت کسی قسم کے اعتراض کا حق نہیں رکھتے جس کا تقرر خدا کی طرف سے انسانوں کی رہبری اور تربیت کے لئے ہوتا ہے'' (مکتب تشیع ص ۱۱۴، جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان)

شیعہ مذہب کی معتبر ترین کتاب ''اصول کافی'' میں پورا باب موجود ہے۔ جس کا عنوان کچھ یوں ہے:۔

''امر دین کی تفویض رسول اللہ صلعم اور آئمہ علیہم السلام'' (اصول قافی ج ۲ ص ص ۱۶۵، باب نمبر ۵۱)

اس عنوان کے تحت کئی احادیث موجود ہیں، جو ان کے اس نظریہ کی وضاحت کرتے ہیں، ان میں ایک واضح روایت جس کا ترجمہ بھی شیعہ مترجم کی زبانی پیش کیا جاتا ہے یوں ہے:۔

''ابن اشیم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تھا کہ ایک شخص آیا اور قرآن کی ایک آیت کے متعلق پوچھا۔ آپؑ نے اسے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک دوسرا آیا۔ اس نے بھی اس آیت کے متعلق پوچھا۔ آپؑ نے اسے دوسرا جواب دیا۔ مجھے اس واقعہ سے اتنا صدمہ پہنچا گویا کہ کسی نے میرے قلب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے میں نے اپنے دل میں کہا۔ میں شام میں ابوقتادہ کو لکھا کہ وہ ایک واؤ کی غلطی نہیں کرتا اور یہ ہیں کہ انہوں نے غلطی پر غلطی کی ابھی میں اس خیال میں تھا کہ ایک شخص اور آیا اور اس نے بھی اس آیت کے متعلق پوچھا۔ آپ نے اس کو جو جواب دیا وہ پچھلے دونوں جوابوں کے خلاف تھا اب میرے نفس کو سکون حاصل ہوا اور میں نے یہ جانا کہ یہ از روئے تقیہ یہ جواب دیئے گئے ہیں۔ اب حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور یہ فرمایا۔ اے ابن اشیم اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤ کو دنیوی جاہ سپرد کر کے فرمایا تھا یہ ہماری بخشش ہے چاہے کسی کو دے کر اس پر احسان رکھو چاہے اسے بغیر حساب روکے رکھو اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد وہ حکومت کی جس کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ جو تمہیں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے اسے لے لو، اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو پس جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے یہ حکومت سپرد کی اسی طرح ہم کو بھی ہے'' (اصول کافی ج

۲ص ۱۶۷)

استاد شیخ محمد رضا مظفر لکھتے ہیں:۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اماموں کا حکم خدا کا حکم ہے۔ان کی ممانعت خدا کی ممانعت ہے۔ان کی فرمانبرداری خدا کی فرماں برداری ہے ۔ان کے احکام کی خلاف ورزی خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہے(مکتب تشیع ص104)

محمد حسین ڈھکو لکھتے ہیں:۔

تمام شیعہ امامیہ اس کے قائل ہیں کہ امام کو نبی کی طرح اول عمر سے آخر عمر تک تمام صغیرہ کبیرہ گناہوں سے اور احکام میں ہر قسم کی خطاء ولغزش سے منزہ ومبرا اور معصوم ہونا ضروری ہے(اثبات امامت ص23)

ایسے ہی ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

امامت ورہبری کا منصب نبوت ورسالت سے بالاتر ہے(شیعہ جواب دیتے ہیں ص301)

نیز:۔

امامت کا عہدہ نبوت ورسالت کے علاوہ ایک تیسرا منصب ہے جو کہ مزید قدرت اور ذمہ داریوں کی وجہ سے دوسرے عہدوں کی بہ نسبت زیادہ اہمیت کا حامل ہے (شیعہ جواب دیتے ہیں ص303)

اصول کافی میں مکمل باب کچھ یوں ہے:۔

ائمہ علیہم السلام اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور وہ باختیار خود مرتے ہیں (الشافی

ترجمہ اصول کافی ج2 ص154)

نجم الحسن کراروی لکھتے ہیں:۔

کیونکہ حضور رسول کریم نے نص فرما دی ہے کہ میری آل میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے اور حدیث کفو فاطمہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ آل رسول کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے (چودہ ستارے ص134)

آفتاب حسین جوادی لکھتے ہیں:۔

اس آیت شریفہ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ امامت نبوت کے مرتبہ سے بالاتر ہے (السیف البارق ص135)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

تو اب کوئی امر مانع نہیں کہ حضرت علی اور دیگر ائمہ اطہار کو گذشتہ انبیاء سے بجز سید المرسلین افضل قرار دیا جائے (السیف البارق ص139)

اصول کافی میں ہے:۔

عن احدہما انہ قال لا یکون العبد مومنا حتی یعرف اللہ و رسولہ ولائمۃ کلھم و امام زمانہ (اصول کافی ص105)

ترجمہ:۔ حضرت امام محمد باقر یا امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی اور تمام ائمہ خاص کر اپنے زمانے کے امام کی معفرت حاصل نہ کرے۔

اس سے پتہ چلا کہ جس طرح نجات کے لئے و تکمیل ایمان کے انبیاء کا اقرار

ضروری ہے ایسے ہی ائمہ کو ماننا بھی لازم ہے منکر مومن نہیں۔ بہر حال ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ شیعہ حضرات کے نزدیک

(1) ائمہ انبیاء کی طرح منصوص من اللہ ہوتے ہیں

(2) امامت کا مرتبہ نبوت سے بالاتر ہے

(3) ان کے ائمہ انبیاء سے افضل ہیں

(4) انبیاء کی طرح معصوم ہوتے ہیں

(5) احکام شریعت کے ان کے تابع ہیں، جس چیز کو چاہیں جائز قرار دیں، جس سے چاہیں منع کر دیں۔

انہی نظریات کی بدولت اکابرین اہلسنت نے انہیں ختم نبوت کا منکر قرار دیا ہے۔

،شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں :۔

اس فقیر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح سے سوال کیا کہ حضرت شیعوں کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ جو اہل بیت سے محبت کے مدعی ہیں اور صحابہ کو برا کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک نوع کے روحانی کلام کے ذریعہ القاء فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا باطل ہونا لفظ ''امام'' سے معلوم ہو جاتا ہے جب اس حالت سے افاقہ ہوا تو میں نے لفظ ''امام'' میں غور کیا معلوم ہوا کہ ''امام'' ان کی اصطلاح میں وہ شخص ہے جس کی اطاعت فرض ہو اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ ہو۔ یہ لوگ امام کے حق میں ''وحی باطنی'' بھی تجویز کرتے ہیں پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں اگر چہ زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم

الانبیاء کہا کرتے ہیں۔" (تفہیمات الٰہیہ ج ۲ ص ۲۹۴)

تفہیمات کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک قابل استدلال ہے اسی لیے اسکا حوالہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز یہی شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

میں نے روحانی طریقہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شیعہ مسلک کے متعلق پوچھا مجھے اشارہ کیا گیا کہ یہ مسلک جھوٹا ہے اور اس کا غلط ہونا لفظ امام سے ظاہر ہے۔ اس کیفیت سے واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ واقعی ان کے ہاں امام ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو معصوم ہوتا ہے، اس کی تابعداری فرض ہے اور اس پر باطنی وحی ہوتی ہے، حالانکہ یہی نبی کی تعریف ہے، لہذا اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اللہ تعالیٰ ہدایت دے (رسائل شاہ ولی اللہ ص 192)

شاہ عبدالعزیز صاحب لکھتے ہیں:

"امامیہ ہر چند کہ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا اقرار کرتے ہیں لیکن در پردہ وہ ائمہ کی نبوت کے قائل ہیں، کیونکہ ائمہ کو انبیاء سے بہتر و بزرگ تر شمار کرتے ہیں جیسا کہ اسی باب میں تفصیل سے گزرا، اور تحلیل و تحریم کا معاملہ ائمہ کے سپرد کرتے ہیں جو کہ خاصہ نبوت بلکہ بالاتر نبوت ہے پس در حقیقت ختم نبوت کے منکر ہیں۔" (تحفہ اثناء عشریہ ص ۱۷۰)

فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:۔

شیعوں میں امام کا وہی تصور ہے جو اہلسنت کے نزدیک نبی کا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر

(شیعہ کا عقیدہ امامت ص 2)

ان حضرات کی وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل تشیع کے نظریہ امامت
درحقیقت انکار ختم نبوت کے مترادف ہے۔اور ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان بھی اہلِ سنّت
کی مخالفت کے سوا کچھ نہیں۔
ڈاکٹر صاحب امام خمینی کے متعلق لکھتے ہیں:
امام خمینی تاریخ اسلام کے شجاع اور جری مردان حق میں سے ہیں جن کا جینا علی کا اور
مرنا حسین کی طرح ہے۔خمینی کی محبت کا تقاضہ ہے کہ ہر بچہ خمینی بن جائے۔(روز
نامہ نوائے وقت، جون ۱۹۸۹)
اور ڈاکٹر صاحب کا دفاع کرتے ہوئے ایک صاحب لکھتے ہیں:
"دراصل ان سے منسوب الفاظ ان سے کسی پیش رو مقرر نے کہے تھے جن کو
پروفیسر صاحب نے اپنے خطاب میں ذکر کردیا۔" (اعتقادی خدمات ص ۴۳)
اسی خمینی کے متعلق موصوف کے جامعہ میں مقالہ جات لکھے گئے:۔
ایرانی قونصلیٹ کے زیر اہتمام کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی بعنوان امام خمینی
انقلاب اسلامی ایران میں جامعہ اسلامیہ منہاج القرآن کے دو ہونہار طالب علموں محمد
رمضان قادری (سال ششم) اور طاہر محمود انجم (سال پنجم) نے بالترتیب اول انعام
(2000 روپے) اور سوم انعام (1000 روپے حاصل کیا) (ماہنامہ منہاج القرآن
اگست 1990 ص 46)
جبکہ یہ خمینی صاحب کے نظریات بلاتبصرہ ملاحظہ ہوں:۔
یہ عقیدہ ہمارے مذہب کی ضروریات میں داخل ہے کہ ہمارے ائمہ کے مقام اور
مرتبے کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔(الحکومۃ الاسلامیہ

ص ۲۵)

امام کو وہ اعلیٰ مقام، بلند درجہ اور تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ ان کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں ہوتا ہے۔ اور ہمارے مذہب کے ضروری اور بنیادی عقائد میں سے یہ عقیدہ بھی ہے کہ ہمارے امام مقام و مرتبہ کی جس بلندی پر فائز ہیں وہاں تک کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل بھی نہیں پہنچ سکتا (الحکومۃ الاسلامیہ ص52)

ہم ایسے خدا کو جانتے اور اس کی پرستش کرتے ہیں جس کے سارے کام عقل کی بنیاد پر قائم ہیں اور عقل کے خلاف وہ کام نہیں کرتا۔ نہ کہ ایسے خدا کی جو خدا پرستی، عدالت اور دین داری کی بلند عمارت تیار کر کے خود اسکی ویرانی کے درپے ہو جائے اور یزید، معاویہ اور عثمان جیسے بدقماشوں کو امارت و حکومت سپرد کر دے (کشف الاسرار ص 107)

سمرہ بن جندب جیسے راوی بھی ہو سکتے ہیں جنہوں نے علماء سوء اور معاونینِ ظلم کی طرف سے ظالم حکمرانوں کی خوبیاں اور حسنِ سلوک، نیز سلاطین کی بزرگی اور پاکیزہ سیرت کے بارہ میں ہزاروں موضوع روایات بیان کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی (الحکومۃ الاسلامیہ 134، 135)

اسلامی حکومت کے علاوہ آپ جن حکومتوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، آپ خود اندازہ کیجئے کہ ان میں ایک مسلمان کس طرح خوف و ہراس میں، مصیبت اور تکلیف کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس کو ہر لحظہ یہ خوف دامنگیر ہوتا ہے کہ لوگ اس کے گھر پر حملہ کر کے اس کو جان سے مار ڈالیں گے اور اس کا مال و متاع چھین لیں گے۔ یہ صورتِ حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیش آئی۔ لوگوں کو ثبوتِ جرم کے بغیر ہی محض ظن و گمان یا تہمت کی بناء پر قتل کر دیا جاتا تھا۔ سینکڑوں

لوگوں کو قید و بند میں ڈال دیا جاتا تھا، سینکڑوں لوگوں کو ان کے گھروں سے ناحق محض اس لیے نکال دیا جاتا تھا کہ وہ "(ربنا اللہ)" کہہ کر اعلانِ حق کرتے۔" (الحکومۃ الاسلامیہ للخمینی، مترجم مولانا محمد نصر اللہ خاں خازن مجددی، ص148، 149)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ایک اسلامی حکومت کا نمونہ نہ تھی۔ اسے اسلامی حکومت کے ساتھ دور ونزدیک کی کوئی مشابہت نہ تھی۔" (الحکومۃ الاسلامیہ، ص149)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین نے اس معاملے میں سختی کی ہے۔" الحکومۃ الاسلامیہ ص232)

اسی طرح خمینی صاحب نے اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں بھی صحابہ کرام کے متعلق گستاخانہ الفاظ درج کیے ہیں اور اپنی اسی کتاب "کشف الاسرار" میں تحریف قرآن کا بھی قول کیا ہے، اس کے باوجود خمینی کی یوں تعریف کرنا ہرگز درست نہیں۔

سیاست امیرِ معاویہ

موصوف فرماتے ہیں:۔

میں سیاست امیر معاویہ کا قائل نہیں ہوں ۔میں امیر معاویہ کو صحابی سمجھتا ہوں۔۔۔۔۔لیکن اس سے آگے سیاست امیر معاویہ کا نعرہ لگانا یہ کسی اعتبار سے درست نہیں (محبت امام حسین اور شہادت امام حسین 15)

حضرت معاویہ کی سیاست کی تعریف بڑے بڑے اکابرین امت سے ثابت ہے
،لیکن عرض یہ ہے کہ اس سے یہ ہرگز مراد نہیں کہ آپ نے جو کچھ حضرت علی خلاف کیا
ہو درست ہے، بلکہ سیاست معاویہ کا جب بھی ذکر کیا جاتا ہے اس سے مراد حضرت
امام حسن سے صلح کے بعد والا دور ہے۔اس سے اسکا انکار درست نہیں۔اسے فتنہ سے
تعبیر کرنا رافضیانہ حرکت ہے،جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا:۔

حضرت امیر معاویہ ان کے دور حکومت کی نسبت ہم حضور کے صحابی ہونے کی وجہ
سے حیا کو اور خاموشی کو فرض جانتے ہیں اور زبان کھولنے کو ناپسند کرتے ہیں اور گناہ
سمجھتے ہیں ۔۔۔سیاست معاویہ کا فتنہ آج پیدا ہوا ہے (محبت امام حسین اور
شہادت امام حسین ص 15-16)

ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان ان کے اندر کے روگ پہ شاہد ہے، جو سیاست معاویہ کو فتنہ سے
تعبیر فرما کر اپنے ہم زلف شیعہ حضرات کے موقف کو تقویت پہنچا رہے ہیں۔ایسے ہی
موصوف کی جانب سے شائع کردہ کتب میں اکابرین کی عبارات کی آڑ میں حضرت
معاویہ پہ جرح کی گئی ہے،موصوف کا فرض تھا کہ نقل کردہ عبارات کی وضاحت کرتے
،مگر ڈاکٹر صاحب نے قصدا ان کی وضاحت نہیں کی بلکہ عبارات میں کتر و بیونت
کرنے سے بھی گریز نہیں فرمایا،اور یقینا ان عبارات پہ موصوف کی خاموشی ان کی
رضامندی پہ دال ہے۔اس لئے موصوف کی نقل کردہ عبارات ان کے عقیدہ کو ظاہر
کرتی ہیں،اس لئے ہم یہاں ان عبارات کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ ان کا جواب بھی

رقم کئے دیتے ہیں۔ موصوف حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:۔

یہ نہ کہو اہل شام نے کفر کیا، بلکہ کہو کہ انہوں نے فسق یا ظلم کیا (حقیقت مشاجرات صحابہ ص 16-17)[1]

قارئین! صحابہ کرام کے آپسی تبصرے سے استدلال کرنا انتہائی غیر مناسب حرکت ہے۔ اگر یہی استدلال کا معیار ہے تو ڈاکٹر صاحب کے سامنے ہم چند معروضات پیش کرتے ہیں۔ ہم اوراق سابقہ پہ ہم یہ حدیث نقل کر چکے:۔

احنف بن قیس سے روایت ہے، میں نکلا اس ارادہ سے کہ اس شخص کا شریک ہوں گا (یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا بمقابلہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے) راہ میں مجھ سے ابوبکرہ ملے، کہنے لگے: تم کہاں جاتے ہو اے احنف!؟ میں نے کہا: میں چاہتا ہوں مدد کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کی یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی۔ ابوبکرہ نے کہا: تم لوٹ جاؤ اے احنف! کیونکہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "جب دو مسلمان اپنی تلوار لے کر بھڑ جائیں تو مارنے والا اور جو مارا جائے دونوں جہنمی ہیں۔"

اب اگر صحابہ کے آپسی تبصرہ کو تسلیم کیا جائے تو اس حدیث کی رو سے حضرت علی و

---

[1] اولاً یہ روایت مجروح ہے، اس میں عبداللہ بن ریاح مجہول راوی ہے، دوئم یہاں فسق یا ظلم لغوی معنی میں مستعمل ہیں۔ اور اس سے مراد امام سے خروج ہے۔ تفصیل کے لئے اسی کتاب میں جنگ صفین کا پس منظر ملاحظہ کریں، جو جلد دوئم میں شامل ہے۔

حضرت معاویہ اوران کے حامی تمام حضرات کو جہنمی ماننا پڑے گا، اس لئے رافضیت اسی میں ہے صحابہ کے ظاہر اقوال حجت نہیں۔

ملا علی قاری سے نقل کرتے ہیں:۔

میں (علی القاری) کہتا ہوں: اس صورت میں توان پر واجب تھا کہ وہ بغاوت کو چھوڑتے ہوئے خلیفہ برحق کی اطاعت کی طرف رجوع کرتے، مخالفت ترک دیتے اور خلافت عظمیٰ کی طلب سے باز آجاتے۔اس سے ظاہر ہوا کہ وہ باطن میں باغی تھے اور ظاہرا قصاص عثمان کی آڑلیکر دکھاوا کرنے والے تھے۔یہ حدیث ان پر طعن کرنے والی ہے اوران کی اتباع سے روکنے والی ہے، لیکن وہی ہوکر رہا جو تقدیر میں لکھا تھا۔سوان کے نزدیک جو کچھ قرآن وحدیث میں مرقوم تھا سب متروک ہوگیا۔اللہ تعالیٰ کی اس شخص پر رحمت ہو جس نے انصاف کیا اور تعصب اور بے راہ روی سے کنارہ کیا اور اعتقاد میں اعتدال کو محبوب رکھا، تاکہ وہ رشد و ہدایت کے راستے سے ہٹ کر رافضیت اور ناصبیت میں مبتلا نہ ہو اور جمیع آل و اصحاب سے محبت کرے (حقیقت مشاجرات صحابہ ص 37)

اولاتو ڈاکٹر صاحب نے دیانتدارانہ رویہ سے یہاں پرہیز کیا ہے اوراس کے ساتھ متصل عبارت کو حذف کر دیا، جس میں موجود ہے:۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ لوگ اس حدیث کو دیکھ کر اور اس کے محمول و مصداق کو جان کر حضرت معاویہ کے حق میں طعن کریں اوران کی ذات کو ہدف ملامت بنائے، کوئی اس طرح کرے گا وہ کتاب اللہ اور احادیث دونوں کا

منکر ہوگا کیونکہ ان حضرات کے مناقب اور فضیلت کو قرآن وسنت دونوں نے بیان کیا ہے (مرقاۃ ج 11 ص 45)

سیاق وسباق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملا علی قاری کا یہ قول الزاما ہے، اس پہ قرینہ یہ متصل عبارت ہے جسے ہم نقل کر چکے۔ پھر یہی ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

واضح رہے کہ حضرت معاویہ عدول، اہل فضل اور خیار صحابہ میں سے ہیں، ان کے بارے میں کوئی بھی برا خیال رکھنا یا ان کی شان میں کوئی بھی ایسی بات کہنا جو مرتبہ صحابیت کے منافی ہو، اسی طرح ممنوع ہے جس طرح دوسرے صحابہ کے بارے میں ممنوع ہے (مرقاۃ ج 11 ص 312)

نیز:۔

رہی یہ بات کہ بعض صحابہ کے درمیان جو باہمی نزاع ہوا، یا باہمی جنگ وجدل کی نوبت آئی، تو اس پر بحث وتمحیص کرنا اور اس سے کوئی نتیجہ نکال کر کسی کی تنقیص کرنا ہمارا مقام نہیں۔ وہ سارے معاملات ان کے اپنے اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں سے کوئی بھی صحابی ایسا نہیں تھا جس نے ان معاملات میں نفسانی تقاضوں، یا دنیاوی اغراض کے تحت شرکت کی ہو۔ وہ سب صحابہ اپنے اپنے موقف کے درست اور جائز ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے، اور اپنی باہمی لڑائیوں وتنازعات کی تاویل کرتے تھے، چونکہ ان صحابہ کو مجتہدانہ مقام ومرتبہ حاصل تھا اور مسائل میں ایک دوسرے سے اختلاف رائے رکھنے کا حق رکھتے تھے، اس لئے ان کے ان تنازعات کی بناء پر ان مین سے کوئی عدول کے مرتبہ سے خارج نہیں ہوگا۔ اور

نہ اس کی حیثیت ومقام میں کوئی نقص آئے گا۔ کیونکہ ان صحابہ کرام مجہتدانہ مقام و مرتبہ حاصل تھا جیسا کہ ان کے بعد ائمہ مجہتدین کو مسائل میں مجہتدانہ مرتبہ حاصل رہا۔ اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ ان کے بارے میں زبان کھولتے وقت محتاط رہا جائے، ان کے حق میں منہ سے وہی بات نکالی جائے جو تعریف اور بھلائی کی ہو (مرقاۃ ج11 ص312)

اور ان پر طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سب مجہتد تھے اگرچہ ان میں حضرت علی مصیب تھے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پہ اشکال وارد نہ کیا جائے کہ بعض صحابہ نے خلافت وامارت میں اختلاف کیا تھا میں کہتا ہوں کہ اختلاف خلافت بھی ظاہری طور پر دینی فروعی اختلاف کے ضمن میں آتا ہے جو ہر ایک کے اپنے اپنے اجتہاد سے پیدا ہوا، اس میں بھی کوئی دنیوی غرض نہ تھی جو خواہشات نفسانی کا حصہ لیے ہوئے ہو" (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۳٦۷)

"یعنی وان صدر علی بعضهم بعض ماهو فی الصورة شر فانه اما کان عن اجتهاد ولم یکن علی وجه فساد من اصرار و عناد بل کان رجوعهم عنه الی خیر میعاد بناء علی حسن الظن بهم". (شرح الفقه الاکبر ص۲۰۹)

"اذلم یکن ذلك عن نزاع فی حقیة امارته، بل کان عن خطا فی اجتهادهم" (شرح الفقه الاکبر ص ۱۹۲)

علی قاری علیہ الرحمہ کی اپنی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت معاویہ کا یہ اقدام اجتہادی تھا کسی فساد وعناد کی وجہ سے نہیں تھا، اس کے بالمقابل ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ عبارت علی قاریؒ موقف کی ترجمانی نہیں کرتی، اور نہ ہی یہ اہل سنت کا موقف ہے بلکہ اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں کہ یہ اختلاف اجتہادی تھا اور خلافت علی کے متعلق ہرگز نہیں تھا، امام تفتازانی لکھتے ہیں:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ خطاء اجتہادی کی وجہ سے تھا (شرح العقائد النسفیہ ص 109)

علامہ شہاب الدین خفاجی رقم طراز ہیں:۔

یہ امور ان سے اجتہادا صادر ہوئے، ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں نہ ہی ان کا مطمع نظر کوئی دنیوی امور تھے ((نسیم الریاض ج3 ص 467)

خود ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:۔

بلکہ اجتہادی غلطی پر مبنی تھا۔ اہل سنت کی عقائد وفقہ کی تمام کتب میں یہی لکھا ہے (اسلام دین امن ورحمت ہے ص 432)

فضائل معاویہ کا انکار

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

فضائل معاویہ میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے کچھ بھی صحیح

نہیں (مشاجرات صحابہ کی حقیقت ص85)

موصوف نے سب سے پہلا حوالہ فتح الباری کے حوالہ سے درج کیا ہے، جو سند بیان کی گئی ہے اس میں ابو العباس محمد بن یعقوب کی توثیق ثابت نہیں، اس لئے ایسی مجروح روایت صحابی رسول کی عظمت کو ہر گز نہیں گرا سکتی۔ اس کے بعد علامہ ذہبی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام نسائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں دمشق میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگ سیدنا علی سے بہت زیادہ منحرف تھے، جس پر میں اس امید سے کتاب الخصائص تصنیف کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ پھر انہوں نے فضائل صحابہ کتاب لکھی۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ فضائل معاویہ میں کچھ روایت نہیں کریں گے؟ فرمایا: میں کیا چیز روایت کروں؟ کیا یہ حدیث: اے اللہ! اس کے پیٹ کو نہ بھرنا؟ وہ سائل خاموش ہو گیا (مشاجرات صحابہ کی حقیقت ص90)

یہی واقعہ موصوف وفیات الاعیان کے حوالہ سے نقل کیا اور اس کے ساتھ اپنی ذہنی ژولیدگی کا بھی اظہار کیا، جس کی وضاحت ہم آگے چل کر کرتے ہیں۔ سر دست عرض ہے کہ امام ذہبی ہوں، ابن خلکان یا شاہ عبد العزیز محدث دہلوی یہ واقعہ بے سند ہے۔ پھر ابن خلکان کی روایت کچھ اپنے آغاز میں یوں ہے:۔

علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق اصبہانی نے بیان کیا ہے، میں نے مصر میں اپنے مشائخ کو فرماتے ہوئے سنا ہے (مشاجرات صحابہ ص

نہ اس کی حیثیت و مقام میں کوئی نقص آئے گا۔ کیونکہ ان صحابہ کرام مجتہدانہ مقام و مرتبہ حاصل تھا جیسا کہ ان کے بعد ائمہ مجتہدین کو مسائل میں مجتہدانہ مرتبہ حاصل رہا۔ اہل سنت و جماعت کا مسلک یہ ہے کہ ان کے بارے میں زبان کھولتے وقت محتاط رہا جائے، ان کے حق میں منہ سے وہی بات نکالی جائے جو تعریف اور بھلائی کی ہو (مرقاۃ ج 11 ص 312)

اور ان پر طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سب مجتہد تھے اگر چہ ان میں حضرت علی مصیب تھے لہذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد پہ اشکال وارد نہ کیا جائے کہ بعض صحابہ نے خلافت و امارت میں اختلاف کیا تھا میں کہتا ہوں کہ اختلاف خلافت بھی ظاہری طور پر دینی فروعی اختلاف کے ضمن میں آتا ہے جو ہر ایک کے اپنے اپنے اجتہاد سے پیدا ہوا، اس میں بھی کوئی دنیوی غرض نہ تھی جو خواہشات نفسانی کا حصہ لیے ہوئے ہو" (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۳٦٧)

"یعنی وان صدر علی بعضھم بعض ماھو فی الصورۃ شر فانه اما کان عن اجتھاد ولم یکن علی وجه فساد من اصرار و عناد بل کان رجوعھم عنه الی خیر میعاد بناء علی حسن الظن بھم". (شرح الفقه الاکبر ص ۲۰۹)

"اذلم یکن ذلك عن نزاع فی حقیة امارته بل کان عن خطا فی اجتھادھم" (شرح الفقه الاکبر ص ۱۹۲)

علی قاری علیہ الرحمہ کی اپنی عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت معاویہ کا یہ اقدام اجتہادی تھا کسی فساد وعناد کی وجہ سے نہیں تھا، اس کے بالمقابل ڈاکٹر صاحب کی پیش کردہ عبارت علی قاریؒ موقف کی ترجمانی نہیں کرتی، اور نہ ہی یہ اہل سنت کا موقف ہے بلکہ اہل سنت اسی بات کے قائل ہیں کہ یہ اختلاف اجتہادی تھا اور خلافت علی کے متعلق ہرگز نہیں تھا، امام تفتازانی لکھتے ہیں:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت معاویہ کے مابین جو لڑائی، جھگڑا ہوا وہ ان کی خلافت میں اختلاف کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ خطاء اجتہادی کی وجہ سے تھا (شرح العقائد النسفیہ ص109)

علامہ شہاب الدین خفاجی رقم طراز ہیں:۔

یہ امور ان سے اجتہادا صادر ہوئے، ان کا منشاء کوئی اغراض نفسانی نہ تھیں نہ ہی ان کا مطمع نظر کوئی دنیوی امور تھے ((نسیم الریاض ج3 ص467)

خود ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:۔

بلکہ اجتہادی غلطی پر مبنی تھا۔ اہل سنت کی عقائد وفقہ کی تمام کتب میں یہی لکھا ہے (اسلام دین امن ورحمت ہے ص432)

فضائل معاویہ کا انکار

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

فضائل معاویہ میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے اس میں سے کچھ بھی صحیح

نہیں (مشاجرات صحابہ کی حقیقت ص85)

موصوف نے سب سے پہلا حوالہ فتح الباری کے حوالہ سے درج کیا ہے، جو سند بیان کی گئی ہے اس میں ابو العباس محمد بن یعقوب کی توثیق ثابت نہیں، اس لئے ایسی مجروح روایت صحابی رسول کی عظمت کو ہرگز نہیں گرا سکتی۔اس کے بعد علامہ ذہبی کے حوالہ سے رقم طراز ہیں:۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں امام نسائی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: میں دمشق میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگ سیدنا علی سے بہت زیادہ منحرف تھے، جس پر میں اس امید سے کتاب الخصائص تصنیف کی کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے انہیں ہدایت عطا فرمائے۔پھر انہوں نے فضائل صحابہ کتاب لکھی۔ان سے پوچھا گیا کہ کیا آپ فضائل معاویہ میں کچھ روایت نہیں کریں گے؟ فرمایا: میں کیا چیز روایت کروں؟ کیا یہ حدیث: اے اللہ! اس کے پیٹ کو نہ بھرنا؟ وہ سائل خاموش ہو گیا (مشاجرات صحابہ کی حقیقت ص90)

یہی واقعہ موصوف وفیات الاعیان کے حوالہ سے نقل کیا اور اس کے ساتھ اپنی ذہنی ژولیدگی کا بھی اظہار کیا، جس کی وضاحت ہم آگے چل کر کرتے ہیں۔سر دست عرض ہے کہ امام ذہبی ہوں، ابن خلکان یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی یہ واقعہ بے سند ہے۔پھر ابن خلکان کی روایت کچھ اپنے آغاز میں یوں ہے:۔

علامہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق اصبہانی نے بیان کیا ہے، میں نے مصر میں اپنے مشائخ کو فرماتے ہوئے سنا ہے (مشاجرات صحابہ ص

(87

عرض ہے کہ حافظ محمد بن اسحاق اصبہانی کا انتقال 395ھ میں ہوا ہے، امام ابوبکر احمد بن علی بن ثابت المعروف خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

آپؒ حامی سنت اور حافظ حدیث تھے۔ کثیر احادیث بیان فرمائیں اور 395 ھجری میں وصال فرمایا (الرحلۃ فی طلب حدیث ص 80)

جبکہ ابن خلکان ساتویں ھجری کے بزرگ ہیں، کوئی ہمیں بتلائے کہ علامہ ابن خلکان نے یہ روایت کہاں سے سنی ہے؟ کہیں اہل تشیع کی طرح کوئی انجان آواز تو ان کے گوش گزار نہیں ہوئی جس کی گونج آج بھی دشمنان معاویہ کے قلوب سے سنائی دے رہی ہے جس کا اظہار اوراق کو سیاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نصیب کو بھی سیاہ کر کے کیا جاتا ہے۔ الغرض یہ بے سند مجہولَ الحال واقعہ ہے، کیونکہ محمد بن اسحاق اصبہانی نے بھی انہیں اپنے مشائخ سے سنا ہے، جن کی صراحت اس مقام پہ موجود نہیں۔ خود ڈاکٹر صاحب عبداللہ ابن مبارک سے نقل کرتے ہیں:۔

اسناد دین ہیں اگر اسناد نہ ہو تو پھر کوئی بھی شخص جو مرضی کہتا پھرے (امام ابوحنیفہ امام الائمۃ فی الحدیث ج1 ص 777)

لا اشبع اللہ بطنہ

اس جگہ ابن خلکان کی روایت پیش کر کے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی الصحیح کی کتاب البر والصلۃ میں روایت کیا ہے

(87

عرض ہے کہ حافظ محمد بن اسحاق اصبہانی کا انتقال 395ھ میں ہوا ہے، امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت المعروف خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

آپؒ حامی سنت اور حافظ حدیث تھے۔ کثیر احادیث بیان فرمائیں اور 395 ھجری میں وصال فرمایا (الرحلۃ فی طلب حدیث ص80)

جبکہ ابن خلکان ساتویں ھجری کے بزرگ ہیں، کوئی ہمیں بتلائے کہ علامہ ابن خلکان نے یہ روایت کہاں سے سنی ہے؟ کہیں اہل تشیع کی طرح کوئی انجان آواز تو ان کے گوش گزار نہیں ہوئی جس کی گونج آج بھی دشمنان معاویہ کے قلوب سے سنائی دے رہی ہے جس کا اظہار اوراق کو سیاہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نصیب کو بھی سیاہ کر کے کیا جاتا ہے۔ الغرض یہ بے سند مجہول الحال واقعہ ہے، کیونکہ محمد بن اسحاق اصبہانی نے بھی انہیں اپنے مشائخ سے سنا ہے، جن کی صراحت اس مقام پہ موجود نہیں۔ خود ڈاکٹر صاحب عبداللہ ابن مبارک سے نقل کرتے ہیں:۔

اسناد دین ہیں اگر اسناد نہ ہو تو پھر کوئی بھی شخص جو مرضی کہتا پھرے (امام ابو حنیفہ امام الائمۃ فی الحدیث ج1 ص777)

لا اشبع اللہ بطنہ

اس جگہ ابن خلکان کی روایت پیش کر کے ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی الصحیح کی کتاب البر والصلۃ میں روایت کیا ہے

(مشاجرات صحابہ ص88)

جبکہ ابن خلکان کی روایت اور مسلم شریف میں موجود حدیث میں زمین آسمان کا بُعد ہے۔ اگر موصوف کا اشارہ لا اشبع اللہ بطنہ کی جانب تھا تو اس کی واضح الفاظ میں صراحت کرنی چاہے تھی۔ خیر مسلم شریف کی حدیث یوں ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَارَيْتُ خَلْفَ بَابٍ قَالَ فَجَاءَ فَحَطَأَنِي حَطْأَةً وَقَالَ اذْهَبْ وَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ قَالَ فَجِئْتُ فَقُلْتُ هُوَ يَأْكُلُ قَالَ ثُمَّ قَالَ لِيَ اذْهَبْ فَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ قَالَ فَجِئْتُ فَقُلْتُ هُوَ يَأْكُلُ فَقَالَ لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهُ.(رواہ مسلم۔ حدیث رقم:6628.)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ،: میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، میں دروازے کے پیچھے چھپ گیا، کہا: آپ آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنے کھلے ہاتھ سے ہلکی سی ضرب لگائی (مقصود پیار کا اظہار تھا) اور فرمایا: جاؤ، میرے لیے معاویہ کو بلالاؤ۔ میں نے آپ سے آ کر کہا: وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آپ نے دوبارہ مجھ سے فرمایا: جاؤ، معاویہ کو بلالاؤ۔ میں نے پھر آ کر کہا: وہ کھانا کھا رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے۔"

اس روایت میں موجود الفاظ اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے کے الفاظ کا سہارا لیکر ڈاکٹر طاہر القادری جیسے تقیہ باز لوگ دلوں میں پوشیدہ رافضیت کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اس

سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ الفاظ محاورۂ عرب کے مطابق ہیں، ان سے بددعا مقصود نہیں۔قاضی عیاض فرماتے ہیں:۔

"یہ بددعا کے کلمات آپ نے اہل عرب کے طریقہ کے مطابق فرمائے ہوں اور اس سے ان کی قبولیت مقصود نہ ہو جیسا کہ ماسبق سطر میں بیان ہوا۔جیسا کہ آپ نے پہلے بھی دوسروں کے بارے میں یہ الفاظ فرمائے تھے کہ تیترا ہاتھ خاک آلودہ ہو، اللہ تیرا پیٹ نہ بھرے، کونچے کٹی یا سرمنڈی" (شفاء شریف ج ۲ ص ۳۴۵)

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

إِنَّ مَا وَقَعَ مِنْ سَبِّهٖ وَدُعَائِهٖ وَنَحْوِهٖ، لَيْسَ بِمَقْصُودٍ، بَلْ هُوَ مِمَّا جَرَتْ بِهٖ عَادَةُ الْعَرَبِ فِي وَصْلِ كَلَامِهَا بِلَا نِيَّةٍ، كَقَوْلِهٖ: تَرِبَتْ يَمِينُكَ، وعَقْرٰى حَلْقٰى، وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ: لَا كَبِرَتْ سِنُّكِ، وَفِي حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ: لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، لَا يَقْصُدُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَقِيقَةَ الدُّعَاءِ (صحيح المسلم مع شرح نووی ج2 ص328، مكتبه رحمانيه لاهور)

"بعض احادیث میں (صحابہ کرام کے لیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بددعا وغیرہ منقول ہے، وہ حقیقت میں بددعا نہیں، بلکہ یہ ان باتوں میں سے ہے جو عرب لوگ بغیر نیت کے بطورِ تکیۂ کلام کے طور پر بول دیتے ہیں۔(بعض احادیث میں کسی صحابی کو تعلیم دیتے ہوئے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ 'تَرِبَتْ یَمِینُکَ' (تیرا داہنا ہاتھ خاک آلود ہو)، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ) "عَقْرٰی حَلْقٰی" (تو بانجھ ہو اور تیرے حلق میں بیماری ہو)، ایک حدیث میں یہ فرمان کہ "لَا کَبِرَتْ سِنُّکِ" (تیری عمر زیادہ نہ ہو) اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ "لَا أَشْبَعَ اللّٰہُ بَطْنَہٗ" (اللہ تعالیٰ ان کا پیٹ نہ بھرے)، یہ ساری باتیں اسی قبیل سے ہیں۔ ایسی باتوں سے اہل عرب بددعا مراد نہیں لیتے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔

(بل) کانت صادرۃ منه من غیر الغضب (بما جرت) ای علی وفق ما جرت (به عادۃ العرب) حیث لایریدون وقوع الامر وانما یقصدون به الادب او الملاطفة فی مقام الطلب اذ قد یشنعون اللفظ وکله ود و ینفونه وما من فعله بل یقولون للشئ اذا مدحوہ قاتله الله ولااب له ولا ام له ولا یریدون به الذم (شرح شفاء ج2 ص360)

ریشم وسونا پہننے پہ اعتراض

قارئین کرام! ڈاکٹر صاحب نے ابوداؤد شریف سے ایک طویل حدیث نقل کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ سونا اور ریشم پہنا کرتے تھے، اس پہ ڈاکٹر صاحب نے بزعم خود محدث بنتے ہوئے حدیث کو صحیح قرار دیا (مشاجرات صحابہ کی حقیقت ص 94)

اس روایت میں ایک راوی بقیہ بن ولید ہے جو تدلیس تسویہ کرتا ہے، اس لئے سند مسلسل بالسماع ہونی ضروری ہے، امام اہلسنت سرمائیہ دین وملت فرماتے ہیں:۔

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اور اس نے عنعنہ کیا یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سُننا نہ بیان کیا، بلکہ کہا کہ ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے (الہادی الحاجب عن جنازۃ الغائب ص 27، امام احمد رضا اکیڈمی، گلشن غوثیہ، نیو کراچی)

المنذری فرماتے ہیں۔

'ثقة عند الجمهور لكنه مدلس'' وہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہے لیکن مدلس ہے۔ (الترغیب والترھیب ج ۴ ص ۵٦٨)

حافظ ابن حجر ایک دوسری روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

بقية صدوق، لكنه يدلس و يسوى، قد عنعنه عن شيخه و شيخ شيخه.

"بقیہ صدوق راوی ہے، لیکن تدلیس تسویہ کرتا تھا، اس نے اپنے استاذ اور استاذ کے استاذ سے بصیغہ عن روایت کی ہے۔" (موافقۃ الخبر الخبر لابن حجر: 1/276]

حافظ ابن ملقن لکھتے ہیں:

لكن بقية رمى بتدليس التسوية، فلا ينفعه تصريحه بالتحديث

"بقیہ پر تدلیس تسویہ کا الزام ہے، لہٰذا صرف اپنے شیخ سے سماع کی تصریح چنداں

مفید نہیں۔" [البدر المنیر : 4/509]

اس لئے اس کی روایت حجت نہیں۔

خطاء اجتہادی کا انکار

ایسے ہی ڈاکٹر صاحب علامہ عینی سے نقل کرتے ہیں:۔

میں کہتا ہوں: یہ کیسے کہہ دیا جاتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اجتہاد میں خطا کی، سوال یہ ہے کہ ان کے اجتہاد پر دلیل کیا ہے؟ حالانکہ انہیں وہ حدیث پہنچ چکی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابن سمیہ پر رحمت ہو، اس کو باغی گروہ قتل کرے گا، ابن سمیہ حضرت عمار بن یاسر ہیں، اور انہیں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گروہ نے شہید کیا تھا۔ کیا حضرت معاویہ اس بات پر راضی نہیں کہ ان کا معاملہ برابر برابر ہو جائے، چہ جائیکہ ان کے لیے (غلط اجتہاد کا) اجر واحد ہو (حقیقت مشاجرات صحابہ ص 32)

یہی علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

صحیح جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حضرت عمار کو حضرت معاویہ کے گروہ نے قتل کیا تھا لیکن وہ مجتہد تھے اور انکا گمان یہ تھا کہ وہ جنت کی دعوت دے رہے ہیں اور واقعہ اس کے برعکس تھا اور اپنے ظن کی اتباع کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں ہے اگر تم یہ کہو کہ مجتہد جب صحیح اجتہاد کرے تو ایک اجر ملتا ہے تو یہاں کیا معاملہ ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اقناعی جواب دیا ہے اور صحابہ کے حق میں اس کے خلاف کہنا لائق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی تعریف کی ہے اور ان کی فضیلت کی شہادت دی ہے (عمدۃ القاری ج 4 ص 308، رقم حدیث بخاری

448)

نیز لکھتے ہیں:۔

برحق نظریہ جس پر اہل سنت و جماعت قائم ہیں، وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے اختلافات کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لیا جائے، ان کے لیے تاویل کی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ مجتہد تھے اور ان سب کے پیش نظر دلائل تھے، ان اختلافات میں سے کسی صحابی نے بھی کسی گناہ یا دنیاوی متاع کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اجتہاد میں بعض کو غلطی لگی تھی اور بعض درستی کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی معاملات میں اجتہادی غلطی کرنے والے کو گناہ گار نہیں قرار دیا (عمدۃ القاری ج 1 ص 212)

ان عبارات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علامہ عینی بھی اس خطاء کو اجتہادی سمجھتے ہیں، لیکن اس خطاء کو ایک اجر پہ محمول نہیں کرتے جو انکا ذاتی تفرد ہے، جب کہ جمہور کا موقف ہم پیش کر چکے ہیں۔ الغرض نفس خطاء اجتہادی کا علامہ عینی بھی انکار نہیں کرتے۔

کیا فضائل معاویہ بیان کرنا منع ہے؟

ایسے ہی ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے تقریر کرتے ہوئے، سارا زور اس پر دیا ہے کہ:

حضرت امیر معاویہ کے قصیدے نہ پڑھے جائیں، ان کا عرس نہ منایا جائے، ان کے متعلق صرف کف لسان کیا جائے۔

موصوف کی یہ بات انتہائی نامناسب ہے کہ فضائل بیان نہ کئے جائیں بلکہ کف لسان کیا جائے۔ کف لسان سے مراد فضائل میں کف لسان نہیں۔ اس بات کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ حضرت معاویہ کے فضائل نہ بیان کئے جائیں، بلکہ اس کا مطلب یہ

ہے کہ مشاجرات صحابہ میں کلام نہ کیا جائے۔اہل سنت کا موقف یہی ہے کہ امیر معاویہ کی یہ خطاء اجتہادی ہے اور ان مشاجرات میں کف لسان کے ساتھ فضائل کو بیان کرنا چاہئے۔ائمہ اہل سنت کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔شیخ جیلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

اہل سنت صحابہ علیہم الرضوان کے آپس کے معاملات میں کف لسان، ان کی خطاؤں کے بیان سے رکنے اور ان کے فضائل ومحاسن کا اظہار کرنے پر اور جو معاملہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرات طلحہ وعائشہ ومعاویہ رضی اللہ تعالی عنہم کے مابین اختلاف ہوا اس کو اللہ تعالی کے سپرد کرنے پر متفق ہیں جیسا کہ ہم ماقبل میں بیان کرچکے ہیں اور ان میں ہر فضل والے کو اس کا فضل دینے پر متفق ہیں ۔(الغنیۃ الطالبین ص163)

قاضی ابوبکر الباقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 304 ھجری) فرماتے ہیں:۔

واجب ہے کہ ہم جان لیں: جو امور حضور اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مابین واقع ہوئے اس سے ہم کف لسان کریں، اور ان تمام کے لیئے رحمت کی دعا کریں، تمام کی تعریف کریں، اور اللہ تعالی سے ان کے لیئے رضا، امان، کامیابی اور جنتوں کی دعا کرتے ہیں، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ان امور میں اصابت پر تھے، اور آپ رضی اللہ تعالی عنہ کے لیئے ان معاملات میں دو اجر ہیں، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے جو صادر ہوا وہ ان کے اجتہاد کی بنیاد پر تھا ان کے لیئے ایک اجر ہے، نہ ان کو فاسق قرار دیا جائے گا اور نہ ہی بدعتی۔اس پر دلیل یہ ہے کہ ان کے لیئے اللہ تعالی نے فرمایا: اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔اور یہ ارشاد فرمایا: بے شک اللہ

راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے تو اللہ نے جانا جو ان کے دلوں میں ہے تو ان پر اطمینان اتارا اور انھیں جلد آنیوالی فتح کا انعام دیا' اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان ہے جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں اصابت پر ہو تو اس کے لیئے دو اجر ہیں، اور جو اجتہاد کرے اور اس میں خطا کرے، تو اس کے لیئے ایک اجر ہے۔ جب ہمارے وقت میں حاکم کے لیئے اس کے اجتہاد پر دو اجر ہیں تو پھر ان کے اجتہاد پر تمہارا کیا گمان ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔
(الانصاف فی مایجب اعتقادہ صفحہ 64)

امام اہلسنت ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ (324 ھجری) فرماتے ہیں:۔

جو جنگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی یہ تاویل اور اجتہاد کی بنیاد پر تھی، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی امام تھے اور یہ تمام کے تمام مجتہدین تھے اور ان کے لیئے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے جنت کی گواہی دی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی گواہی اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ تمام اپنے اجتہاد میں حق پر تھے، اسی طرح جو جنگ حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین ہوئی اس کا بھی یہی حال ہے، یہ بھی تاویل و اجتہاد کی بنیاد پر ہوئی، اور تمام صحابہ پیشوا ہیں، مامون ہیں، دین میں ان پر کوئی تہمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام کی تعریف کی ہے، ہم پر لازم ہے کہ ہم ان تمام کی تعظیم و توقیر کریں، ان سے محبت کریں اور جو ان کی شان میں کمی لائے اس سے براءت اختیار کریں۔ (الابانہ عن اصول الدیانہ صفحہ

626-625-624

امام ابوبکر، احمد بن ابراہیم، اسماعیلی رحمہ اللہ (277-371ھ) محدثین کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والكف عن الوقيعة فيهم، وتأول القبيح عليهم، ويكلونهم فيما جرى بينهم على التأويل إلى الله عز وجل" [اعتقاد ائمة الحديث، ص: 79]

''ائمہ حدیث صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں، بری باتیں ان پر نہیں تھوپتے اور اجتہادی طور پر ان کے مابین جو بھی ناخوشگوار واقعات ہوئے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔

امام، ابوالحسن، علی بن اسماعیل، اشعری رحمہ اللہ (260-324ھ) فرماتے ہیں:

فأما ما جرى من علي والزبير وعائشة رضي الله عنهم أجمعين، فإنما كان على تأويل واجتهاد، وعلي الإمام، وكلهم من أهل الاجتهاد، وقد شهد لهم النبي صلى الله عليه وسلم بالجنة والشهادة، فدل على أنهم كلهم كانوا على حق في اجتهادهم، وكذلك ما جرى بين سيدنا علي ومعاوية رضي الله عنهما، فدل على تأويل واجتهاد، وكل الصحابة أئمة مأمونون غير متهمين في الدين، وقد أثنى الله ورسوله على جميعهم، وتعبدنا بتوقيرهم وتعظيمهم وموالاتهم، والتبري من كل من ينقص أحدا منهم، رضي الله عنهم أجمعين

”سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلافات ہوئے، وہ اجتہادی تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور سب صحابہ کرام مجتہد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت اور شہادت کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سب اپنے اجتہاد میں حق پر تھے۔ اسی طرح سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو اختلافات ہوئے، وہ بھی اجتہادی تھے۔ تمام صحابہ کرام با اعتماد اور با کردار ائمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سب کی تعریف کی ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کی عزت و تعظیم کریں، ان سے محبت رکھیں اور جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے، اس سے براءت کا اعلان کریں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو چکا ہے۔“ [الإبانة عن أصول الديانة، ص: 78]

امام ابو منصور معمر بن احمد اصبہانی رحمہ اللہ (م: 418ھ) مشاجراتِ صحابہ میں زبان بند رکھنے کو اہل سنت والجماعت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومن السنة السكوت عما شجر بين أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، ونشر فضائلهم والاقتداء بهم، فإنهم النجوم الزاهرة رضي الله عنهم، ثم الترحم على التابعين والأئمة والسلف الصالحين رحمة الله عليهم

”سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کیے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔ صحابہ کرام تو چمکدار ستارے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تابعین، ائمہ دین اور سلف

صالحین کے لیے رحمت کی دُعا کی جائے۔" [الحجة فی بیان المحجة لأبی القاسم الأصبهانی: 1/252، وسندہ صحیح]

امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ (336-430ھ) فرماتے ہیں:۔

فالواجب على المسلمين في أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إظهار ما مدحهم الله تعالى به وشكرهم عليه من جميل أفعالهم وجميل سوابقهم، وأن يغضوا عما كان منهم في حال الغضب والإغفال وفرط منهم عند استزلال الشيطان إياهم، ونأخذ في ذكرهم بما أخبر الله تعالى به، فقال تعالى: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ [الحشر 59: 10] الآية، فإن الهفوة والزلل والغضب والحدة والإفراط لا يخلو منه أحد، وهو لهم غفور، ولا يوجب ذلك البراء منهم، ولا العداوة لهم، ولكن يحب على السابقة الحميدة، ويتولى للمنقبة الشريفة

"اصحاب رسول کے بارے میں مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں جو کچھ فرمایا ہے اور ان کے اچھے افعال و کارناموں کی جو تعریفات کی ہیں، انہیں بیان کیا جائے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر ان سے غصے، غفلت اور شدت میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے چشم پوشی کی جائے۔ اس سلسلے میں ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بناتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ [الحشر 59: 10] "جو لوگ ان کے بعد آئیں اور کہیں کہ اے ہمارے رب! تو

ہمیں بھی معاف فرما دے اور ہم سے پہلے ایمان والوں کو بھی)۔" کیونکہ لغزش، غلطی، غصے، شدت اور کوتاہی سے کوئی بھی مبرا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی ایسی لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے۔ صحابہ کرام کی ایسی بشری لغزشیں ان سے برائت اور عداوت کا باعث نہیں بن سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قابل ستائش سبقتِ اسلام کی بنا پر ان سے محبت رکھتا ہے اور عزت والے مرتبے کی وجہ سے ان سے دوستی رکھتا ہے۔" [کتاب الإمامة والرد علی الرافضة، ص: 341، 342]

شیخ الاسلام، ابوعثمان، اسماعیل، صابونی رحمہ اللہ (م:449ھ) فرماتے ہیں:

ويرون الكف عما شجر بين أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، وتطهير الألسنة عن ذكر ما يتضمن عيبا لهم ونقصا فيهم، ويرون الترحم على جميعهم، والموالاة لكافتهم

"اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کی جائے اور زبان کو ایسی باتوں سے پاک رکھا جائے جن سے صحابہ کرام کا کوئی عیب و نقص ظاہر ہوتا ہو، بلکہ ان سب کے لیے رحمت کی دُعا کی جائے اور ان سب سے محبت رکھی جائے۔" [عقيدة السلف أصحاب الحديث، ص: 93]

حافظ عبیداللہ بن محمد، ابن بطہ رحمہ اللہ (387304ھ) فرماتے ہیں:۔

نكف عما شجر بين أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقد شهدوا المشاهد معه، وسبقوا الناس بالفضل، فقد غفر الله لهم، وأمرك بالاستغفار لهم، والتقرب إليه بمحبتهم،

وفرض ذلك على لسان نبيه، وهو يعلم ما سيكون منهم، وأنهم سيقتلون، وإنهم فضلوا على سائر الخلق، لأن الخطأ والعمد قد وضع عنهم، وكل ما شجر بينهم مغفور لهم

''ہم اصحاب رسول کے باہمی اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا اور نیکی میں ان کو ساری امت سے سبقت حاصل ہے، اللہ نے ان کو معاف فرما دیا ہے اور مسلمانوں کو ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنے اور ان سے محبت رکھ کر اپنا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ احکام اس اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرض کیے ہیں جسے یہ بخوبی معلوم تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے، اسے معلوم تھا کہ صحابہ کرام آپس میں قتال تک کریں گے۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے (انبیائے کرام کے بعد) ساری مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ خطا و عمد دونوں قسم کی لغزشیں ان سے دور کر دی گئی ہیں اور ان کے تمام باہمی اختلافات بھی انہیں معاف فرما دیے گئے ہیں۔'' [الإبانة في أصول السنة، ص: 268]

امام، قوام السنۃ، ابوالقاسم، اسماعیل بن محمد، اصبہانی رحمہ اللہ (م: 535ھ) فرماتے ہیں:

وما جرى بين علي وبين معاوية، فقال السلف : من السنة السكوت عما شجر بين أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم

''سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضی) ہے۔'' [الحجة في بيان المحجة: 2/569]

حافظ، ابوزکریا، یحییٰ بن شرف، نووی رحمہ اللہ (676ھ) حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واعلم أن الدماء التی جرت بین الصحابة رضی الله عنهم، لیست بداخلة فی هذا الوعید، ومذهب أهل السنة والحق إحسان الظن بهم، والإمساك عما شجر بینهم، وتأویل قتالهم، وأنهم مجتهدون متأولون، لم یقصدوا معصیة، ولا محض الدنیا، بل اعتقد كل فریق أنه المحق، ومخالفه باغ، فوجب علیه قتاله لیرجع إلی أمر الله، وكان بعضهم مصیبا، وبعضهم مخطئا معذورا فی الخطإ، لأنه باجتهاد، والمجتهد إذا أخطأ لا إثم علیه، وكان علی رضی الله عنه هو المحق المصیب فی ذلك الحروب، هذا مذهب أهل السنة، وكانت القضایا مشتبهة، حتی إن جماعة من الصحابة تحیروا فیها، فاعتزلوا الطائفتین، ولو یقاتلوا، ولم یتیقنوا الصواب، ثم یتأخروا عن مساعدته

”آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات کے دوران جو خون بہے، وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اہل سنت واہل حق کا مذہب یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن ہی رکھتے ہیں، ان کے مابین اختلافات پر خاموشی اختیار کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام کی باہمی لڑائیاں دلائل پر مبنی تھیں اور وہ اس سلسلے میں مجتہد تھے۔ ان کا ارادہ کسی گناہ یا دنیاوی متاع کا نہیں تھا، بلکہ ہر فریق یہی سمجھتا تھا کہ وہ حق پر اور ان کا مخالف باغی ہے، جس کو اللہ کے

حکم کی طرف لوٹانے کے لیے قتال ضروری ہے۔ یوں بعض واقعی حق پر اور بعض خطا پر تھے، کیونکہ یہ اجتہادی معاملہ تھا اور مجتہد جب غلطی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ان لڑائیوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے (لیکن خطا اجتہادی ہونے کی بنا پر دوسرے صحابہ پر بھی کوئی قدغن نہیں)۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ یہ معاملات اتنے پیچیدہ تھے کہ بہت سے صحابہ کرام بھی اس سلسلے میں پریشان رہے اور دونوں گروہوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ انہیں بالیقین درست بات کا علم نہ ہو سکا اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت سے بھی دستبردار رہے۔

[شرح صحیح مسلم: ج2 ص 394)

نیز فرماتے ہیں:

وأما الحروب التي جرت، فكانت لكل طائفة شبهة، اعتقدت تصويب أنفسها بسببها، وكلهم عدول رضي الله عنهم، ومتأولون في حروبهم وغيرها، ولم يخرج شيء من ذلك أحدا منهم من العدالة، لأنهم مجتهدون، اختلفوا في مسائل من محل الاجتهاد، كما يختلف المجتهدون بعدهم، في مسائل من الدماء وغيرها، ولا يلزم من ذلك نقص أحد منهم، واعلم أن سبب تلك الحروب أن القضايا كانت مشتبهة، فلشدة اشتباهها اختلف اجتهادهم، وصاروا ثلاثة أقسام: قسم ظهر لهم بالاجتهاد أن الحق في هذا الطرف، وأن مخالفه باغ، فوجب عليهم نصرته وقتال الباغي عليه، فيما اعتقدوه، ففعلوا ذلك، ولم يكن يحل لمن هذه صفته التأخر عن

مساعدة إمام العدل، في قتال البغاة في اعتقاده، وقسم عكس هؤلاء، ظهر لهم بالاجتهاد أن الحق في الطرف الآخر، فوجب عليهم مساعدته وقتال الباغي عليه، وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية، وتحيروا فيها، ولم يظهر لهم ترجيح أحد الطرفين، فاعتزلوا الفريقين، وكان هذا الاعتزال هو الواجب في حقهم، لأنه لا يحل الإقدام على قتال مسلم، حتى يظهر أنه مستحق لذلك، ولو ظهر لهؤلاء رجحان أحد الطرفين، وأن الحق معه، لما جاز لهم التأخر عن نصرته في قتال البغاة عليه، فكلهم معذورون، رضي الله عنهم، ولهذا اتفق أهل الحق، ومن يعتد به في الإجماع، على قبول شهاداتهم ورواياتهم، وكمال عدالتهم، رضي الله عنهم أجمعين

''جولڑائیاں صحابہ کرام کے مابین ہوئیں، ان میں ہر گروہ کو ایک شبہ تھا جس کے مطابق ہر ایک نے اپنے آپ کو حق پر سمجھ لیا اور صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے اور اپنی لڑائیوں اور دیگر معاملات میں دلائل رکھتے تھے۔ ان میں سے کسی بھی معاملے کی بنا پر کوئی بھی صحابی ثقاہت کے دائرہ کار سے خارج نہیں ہوا، کیونکہ سب صحابہ کرام مجتہد تھے، وہ کئی اجتہادی مسائل میں مختلف الخیال ہوئے، جیسا کہ بعد میں آنے والے فقہائے کرام بھی قتل و حرب سمیت بہت سے مسائل میں اختلافات کا شکار ہوئے۔ ان اختلافات سے کسی میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا۔ یہاں آپ کو ان لڑائیوں کی وجہ بھی معلوم ہونی چاہیئے۔ ان کی وجہ یہ بنی کہ معاملات انتہائی پیچیدہ تھے اور اسی سخت پیچیدگی کے باعث صحابہ کرام کے

اجتہادات مختلف ہو گئے اور وہ تین قسموں میں بٹ گئے۔ ایک قسم وہ تھی جنہوں نے اپنے اجتہاد سے پہلے فریق کو حق پر سمجھا اور اس کے مخالف کو باغی خیال کیا، یوں ان پر پہلے فریق کی مدد کرنا اور اس کے مخالف سے لڑنا لازم ہو گیا اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حق والوں کے لیے اپنے نزدیک اہل حق کی نصرت اور اہل بغاوت سے لڑائی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم ان کے برعکس تھی، انہوں نے اپنے اجتہاد سے سمجھا کہ دوسرا فریق حق پر ہے، چنانچہ ان پر دوسرے فریق کی نصرت اور ان کے مخالفین کی سرکوبی ضروری ہو گئی۔ تیسری قسم میں وہ صحابہ کرام تھے جن پر معاملہ واضح نہ ہو سکا، وہ اس سلسلے میں کشمکش ہی کا شکار رہے اور کسی ایک فریق کی ترجیح ان پر ظاہر نہ ہو سکی۔ ایسے لوگ دونوں فریقوں سے علیحدہ ہو گئے اور ان پر یہ علیحدگی ہی ضروری تھی، کیونکہ اس وقت تک کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوشش جائز نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اس کا ہے۔ اگر ان صحابہ کرام کے سامنے کسی ایک فریق کا اہل حق ہونا عیاں ہو جاتا تو ان کے لیے اس کی نصرت وحمایت اور باغیوں سے قتال فرض ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حق اور اہل علم کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام کی گواہی اور ان کی روایات قبول کی جائیں گی اور ان کی ثقاہت میں کوئی نقص نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو چکا ہے۔" [شرح صحیح مسلم: ج2 ص278]

علامہ، ابو حامد، محمد بن محمد، غزالی (450-505ھ) فرماتے ہیں:

وما جرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما كان مبنيا على الاجتهاد، ولا منازعة من معاوية فى الإمامة

سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات اجتہاد پر مبنی تھے۔
"سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امامت وخلافت کا کوئی تنازع نہیں تھا۔"
[إحياء علوم الدين: 1/115]

حافظ، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، ذہبی رحمہ اللہ (م: 748ھ) فرماتے ہیں:

وخلف معاوية خلق كثير يحبونه ويتغالون فيه، ويفضلونه، إما قد ملكهم بالكرم والحلم والعطاء، وإما قد ولدوا في الشام على حبه، وتربى أولادهم على ذلك، وفيهم جماعة يسيرة من الصحابة، وعدد كثير من التابعين والفضلاء، وحاربوا معه أهل العراق، ونشؤوا على النصب، نعوذ بالله من الهوى، كما قد نشأ جيش علي رضى الله عنه ورعيته إلا الخوارج منهم على حبه، والقيام معه، وبغض من بغى عليه، والتبري منهم، وغلا خلق منهم في التشيع، فبالله كيف يكون حال من نشأ في إقليم، لا يكاد يشاهد فيه إلا غاليا في الحب، مفرطا في البغض، ومن أين يقع له الإنصاف والاعتدال؟ فنحمد الله على العافية الذي أوجدنا في زمان قد انمحص فيه الحق، واتضح من الطرفين، وعرفنا مآخذ كل واحد من الطائفتين، وتبصرنا، فعذرنا، واستغفرنا، وأحببنا باقتصاد، وترحمنا على البغاة بتأويل سائغ في الجملة، أو بخطإ إن شاء الله مغفور، وقلنا كما علمنا الله: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ [الحشر 59 : 10]

وترضينا أيضا عمن اعتزل الفريقين، كسعد بن أبي وقاص، وابن عمر، ومحمد بن مسلمة، وسعيد بن زيد، وخلق، وتبرأنا من الخوارج المارقين الذين حاربوا عليا، وكفروا الفريقين، فالخوارج كلاب النار، قد مرقوا من الدين، ومع هذا فلا نقطع لهم بخلود النار، كما نقطع به لعبدة الأصنام والصلبان

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے لوگ ایسے تھے جو ان سے محبت رکھتے تھے، ان کے بارے میں غلو سے کام لیتے تھے اور ان کے فضائل بیان کرتے تھے۔اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمرانی کے دوران ان سے حلم وکرم اور بخشش کا سلوک فرمایا تھا یا پھر یہ لوگ شام میں پیدا ہوئے تو علاقائی طور پر ان کی محبت میں پرورش پائی اور ان کی اولادیں اسی ماحول میں پروان چڑھیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں میں کچھ صحابہ کرام اور تابعین کرام کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ اہل شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اہل عراق کے خلاف لڑائی کی اور ان میں (نعوذ باللہ) بغض اہل بیت پیدا ہوا۔اسی طرح خوارج کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رعایا اور ان کا گروہ ان کی محبت وعقیدت میں اور ان کے مخالفین کے بغض وعناد میں پروان چڑھا۔ان میں سے ایک گروہ تو تشیع میں غلو اختیار کر گیا۔ایسے علاقے میں پرورش پانے والے لوگوں کا کیا حال ہوتا ہوگا کہ جو اپنے اردگرد کے لوگوں کو کسی خاص شخص کی محبت میں غلو کرتے اور کسی خاص شخص کے بغض میں حد سے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ایسے لوگوں سے انصاف اور اعتدال کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایسے پر عافیت زمانے میں پیدا کیا

جس میں حق نتھر کر سامنے آ گیا اور طرفین کے دلائل واضح ہو گئے۔ ہم نے دونوں گروہوں کے مآخذ تک رسائی حاصل کی، غور و فکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب لوگ قابل قبول عذر رکھتے تھے۔ چنانچہ ہم نے ان سب کے لیے دُعائے مغفرت کی اور اعتدال پسندی کو اختیار کرتے ہوئے جائز تاویل یا معاف شدہ غلطی کی بنیاد پر باغیوں کے لیے بھی رحمت کی دُعا کی اور وہی کہا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا تھا کہ: ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا﴾ [الحشر 59: 10] ”اے ہمارے رب! ہمیں بھی معاف فرما دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کی حالت میں ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے بارے میں کوئی خلش نہ ڈالنا۔“ ہم نے ان صحابہ کرام کے بارے میں رضائے الٰہی طلب کی جنہوں نے دونوں فریقوں سے علیحدگی اختیار کی تھی، ان میں سیدنا سعد بن ابو وقاص، سیدنا ابن عمر، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا سعید بن زید وغیرہ شامل تھے۔ البتہ ہم مسلمانوں کی جماعت سے نکل جانے والے ان خارجیوں سے براءت کا اعلان کرتے ہیں جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی کی اور سب صحابہ کرام کو کافر قرار دیا۔ خوارج جہنم کے کتے ہیں، وہ اسلام سے نکل چکے تھے۔ اس کے باوجود ہم ان کو اس طرح ہمیشہ کے جہنمی نہیں سمجھتے جس طرح بتوں کے پجاریوں اور صلیبیوں کو سمجھتے ہیں۔“ [سير أعلام النبلاء: 3/128]

حافظ، ابوفداء، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (774ھ) فرماتے ہیں:

وأما ما شجر بينهم بعده عليه الصلاة والسلام، فمنه ما وقع عن غير قصد، كيوم الجمل، ومنه ما كان عن اجتهاد، كيوم

صفين، والاجتهاد يخطئ ويصيب، ولكن صاحبه معذور وإن أخطأ، ومأجوز أيضا، وأما المصيب فله أجران اثنان

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان میں سے بعض ایسے تھے جو بلا قصد وارادہ واقع ہو گئے، جیسا کہ جنگ جمل والے دن ہوا اور بعض ایسے ہیں جو اجتہادی طور پر سرزد ہوئے، جیسا کہ جنگ صفین والے دن ہوا۔ اجتہاد کبھی غلط ہوتا ہے اور کبھی درست، لیکن اجتہاد کرنے والا غلطی بھی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور اس کا عذر قبول کیا جاتا ہے اور اگر وہ درست ہو تو اسے دو اجر ملتے ہیں۔'' [الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث، ص: 182]

نیز فرماتے ہیں:

إن أصحاب علي أدنى الطائفتين إلى الحق، وهٰذا هو مذهب أهل السنة والجماعة أن عليا هو المصيب، وإن كان معاوية مجتهدا، وهو مأجور، إن شاء الله

''بلاشبہ دونوں گروہوں میں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی حق کے زیادہ قریب تھے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد تھے اور ان کو بھی ان شاء اللہ ایک اجر ملے گا۔'' [البداية والنهاية: 2/279]

حافظ، ابوالفصل، احمد بن علی بن محمد، ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ (773 852ھ) فرماتے ہیں:

واتفق أهل السنة على وجوب منع الطعن على أحد من

الصحابة بسبب ما وقع لهم من ذٰلك، ولو عرف المحق منهم، لأنهم لم يقاتلوا في تلك الحروب إلا عن اجتهاد، وقد عفا الله تعالىٰ عن المخطئ في الاجتهاد، بل ثبت أنه يؤجر أجرا واحدا، وأن المصيب يؤجر أجرين

''اہل سنت و جماعت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کی بنا پر کسی بھی صحابی پر طعن کرنا حرام ہے، اگرچہ کسی کو ان میں سے اہل حق کی پہچان ہو بھی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اجتہادی طور پر یہ لڑائیاں کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں غلطی کرنے والے سے درگزر فرمایا ہے، بلکہ اسے ایک اجر ملنا بھی ثابت ہے اور جو شخص حق پر ہوگا، اسے دو اجر ملیں گے۔'' [فتح الباري: 13/34][1]

ان تمام حوالہ جات سے واضح ہو کہ یہ اختلاف محض اجتہادی تھا اور اسی میں کف لسان کا حکم ہے، جب کہ فضائل بیان کرنا ہرگز کف لسان کے حکم میں شامل نہیں۔ یہ عقیدہ تو اہلسنت کی کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے فضائل بیان کرنے سے سکوت کیا جائے گا۔ ائمہ متقدمین ومتأخرین نے تو آپ کے فضائل میں کتابیں لکھی ہیں۔ حافظ ابو بکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ تعالی متوفی ۲۸۱ھ نے حلم معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کے نام سے کتاب لکھی۔ امام محدث ابو عمر محمد بن عبد الواحد غلام ثعلب رحمہ اللہ تعالی متوفی ۳۴۵ھ شیخ القراء ابو بکر النقاش البغدادی متوفی ۳۵۱

[1] یہ عبارات ہم نے نیٹ سے لی ہیں، مگر اصل حوالہ سے مطابقت بھی کی ہے، اور جہاں اغلاط تھیں ان کو درست کرنے کی حتی المقدور سعی کی ہے۔

نے فضائل معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر کتابیں لکھیں۔ابو القاسم السقطی رحمہ اللہ تعالی متوفی ۴۰۶ھ نے فضائل معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر ایک جزء لکھا۔متاخرین میں اہل سنت کے متفقہ امام یعنی امام اہل سنت اعلی حضرت رحمہ اللہ تعالی نے پانچ کتب لکھیں۔

البشرى العاجلة من تحف أجله... الأحاديث الراوية لمدح الأمير معاوية .... عرش الإعزاز والإكرام لأول ملوك الإسلام. ذب الأهواء الواهية فى باب الأمير معاوية.. رفع العروش الخاوية من أدب الأمير معاوية..

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی نے فضائل الصحابہ میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالی نے جامع ترمذی میں مناقب معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کا باب باندھ کر آپ رضی اللہ تعالی عنہ کی فضیلت میں حدیثیں ذکر کیں۔اسی طرح دیگر محدثین نے اپنی کتب میں آپ کے مناقب پر باب باندھے تراجم یعنی حالات زندگی کی کتب میں آپ کے فضائل ذکر کیے گئے۔

6۔ پیر نصیر الدین نصیر

پیر نصیر صاحب یوں تو پیر مہر علی شاہ صاحب کی اولاد میں سے ہیں مگر شومئی قسمت جناب روافض کے پھیلائے ہوئے جال کا شکار ہوئے۔ طبیعت کے لاابالی پن نے مزاج میں آزاد خیالی پیدا کر دی تھی۔ اس لئے کبھی خارجیت اور کبھی رافضیت کے ترجمان بنے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ان کے رفض پہ مشتمل خیالات کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

پیر صاحب لکھتے ہیں:۔

"بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہؓ کے دور امارت میں شروع ہو گیا تھا" (نام و نسب ص ۵۱۹)

ناظرین پیر صاحب کا صحابی رسول رضی اللہ عنہ کو بدعتی کہنا بہت بڑی جسارت ہے، اگر صحابہ کرام کو بھی بدعت میں ملوث مان لیا جائے تو ان کے قول وعمل کی حجیت ختم ہو کے رہ جاتی ہے، پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ما انا علیہ اصحابی" کی کیا توجیہہ کی جائے گی؟ شمع رسالت کے پروانوں کو جو ہدایت کا ستارہ قرار دیا گیا، اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ اہل تشیع حضرات جو صحابہ کرامؓ کو بدعات میں ملوث ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیا یہ ان کے موقف کی تائید نہیں؟، پیر صاحب کی یہ عبارت عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے، اگر پیر صاحب نے نبراس" کا ہی مطالعہ کیا ہوتا تو اس قسم کی سنگین غلطی سے باز رہتے، صاحب نبراس رقم طراز ہیں:۔

"بدعت ہر وہ چیز ہے جو صحابہ کرام کے عہد کے بعد بلا حجت شرعیہ دین میں نکالی جائے" (نبراس ص ۲۱)

لہذا پیر صاحب کا یہی قول عقیدہ اہل سنت کے منافی ہے۔ ایسے ہی پیر صاحب لکھتے

ہیں:۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ خلیفہ برحق تھے اور اس پر اجماع امت ہے۔جناب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے خلاف جو رویہ اختیار کیا، وہ کسی بھی لحاظ سے پسندیدہ نہ تھا، ان کے اس رویے کو محض خطائے اجتہادی قرار دے کر، موجب اجر وثواب سمجھنا محل نظر ہے۔۔۔۔ ہمیں درجہ صحابیت کا لحاظ ہے اور ہم جناب امیر معاویہ کے بارے میں کوئی عناد نہیں رکھتے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ ہم ان کے اس طرز عمل کو اجتہادی کارنامہ سمجھنے سے قاصر ہیں'' (نام ونسب ص ۵۳۳)

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رہے کہ حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ وجدل کی بنیاد خلافت نہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے قاتل تھے، جس میں حضرت علیؓ حق پہ تھے، اور حضرت امیر معاویہ کی خطاء خطائے اجتہادی تھی، اور یہی اہلسنت کا موقف ہے، اس مسئلہ پہ تفصیلی تجزیہ تو ہم نے اپنی کتاب جنگ صفین، پس منظر و پیش منظر'' میں کر دیا ہے، یہاں صرف اکابرین اہل سنت کے اقوال نقل کرنے پہ اکتفاء کرتے ہیں۔امام نوویؒ فرماتے ہیں:۔

''حضرت معاویہؓ بھی فاضل عادل لوگوں میں سے اور نجات پانے والے صحابہ میں سے ہیں۔رہی یہ بات کہ ان میں جنگیں ہوئیں، تو ان میں ہر گروہ کے پاس ایک دلیل تھی، جس کی بدولت وہ خود کو حق پہ سمجھتے تھے، یہ تمام حضرات عادل ہیں۔اور وہ باہم جنگوں میں تاویل سے کام لیتے ہیں اور اس قسم کی کوئی چیز ان میں سے عدالت کو ساقط نہیں کرتی اس لئے کہ وہ لوگ مرتبہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔پھر ان کا اختلاف ایسے مسائل میں ہوا جن میں اجتہاد کی گنجائش موجود تھی

جس طرح بعد کے میں آنے والے مجتہدین ''خون کے مسائل'' میں اختلاف کر لیتے ہیں اور اس سے کسی قسم کا نقص لازم نہیں آتا (مسلم مع شرح نووی ص ۲۷۲)

علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:۔

''اور وہ کافر نہیں نہ فاسق ہیں نہ ہی انہیں ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کے پاس کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی گو وہ باطل ہی کیوں نہ ہو، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ''اجتہاد'' میں خطا کی اور اس سے فسق لازم نہیں آتا شہ جائیکہ کفر '' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۵)

نیز لکھتے ہیں:۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اجتہادی غلطی اور خطا کی اور ایسی خطا کا مرتکب اس کا حقدار نہیں کہ اس کو فاسق کہا جائے جب فاسق کہنا جائز نہیں تو پھر لا فر کیسے کہا جا سکتا ہے (شرح قاصد ج 5 ص ص 308)

ایسے ہی آگے چل کے لکھتے ہیں:۔

شیعوں کا مذہب ہے کہ حضرت علی کے ساتھ لڑنے والے کافر اور ان کے مخالف فاسق ہیں یہ ان شیعہ لوگوں کی دین پر انتہائی جرات ہے اور ان کی بہت بڑی جہالت ہے کیونکہ انہوں نے اس مقام پر فرق نہ کیا کہ اس کے پیچھے تاویل اور اجتہاد کار فرما تھا (شرح مقاصد ج 5 ص 308)

ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔

''لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پہ اشکال وارد نہ کیا جائے کہ بعض صحابہ خلافت و

امارت میں اختلاف کیا تھا میں کہتا ہوں کہ اختلاف خلافت بھی ظاہری طور پر دینی فروعی اختلاف کے ضمن میں آتا ہے جو ہر ایک کے اپنے اپنے اجتہاد سے پیدا ہوا، اس میں بھی کوئی دنیوی غرض نہ تھی جو خواہشات نفسانی کا حصہ لیے ہوئے ہو" (مرقاۃ المفاتیح ج ا ص ۳۶۷)

شاہ عبدالعزیز کے حوالے سے جو "فسق اعتقادی" کے الفاظ پیش کئے جاتے ہیں، ان کی وضاحت بھی خود حضرت نے کی ہے، فرماتے ہیں:۔

"اہل سنت کے عرف میں فسق اعتقادی خطاء اجتہادی ہے" (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۱۸)

لہذا واضح ہوا کہ اہل سنت کا موقف اس مسئلہ میں "خطائے اجتہادی" کا ہے۔ اس کو خطائے منکر سے تعبیر کرنا اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہے۔ پیر صاحب نے اپنے اس موقف پہ بطور تائید سب سے علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا جس میں انہوں نے حضرت معاویہ کی طرف "خطائے منکر" کی نسبت ہے، ان کا یہ موقف "سلسلۃ الذہب" سے نقل کیا گیا ہے، اس پہ اختصار کے ساتھ چند گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ سب سے اولاً تو اسی کتاب میں موجود ہے:۔

"ہر خصومت کہ بود شان باہم بتعصب مزن در آنجا دم (ہفت اورنگ ص ۲۴۲)

ترجمہ:۔ ان کے درمیان جو ہر مخاصمت واقع ہوئی، تعصب کے ساتھ وہاں دم نہ مار" اس لیئے جب چند اشعار قبل وہ خود مشاجرات صحابہ کرامؓ کے درمیان سکوت اختیار

کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں، تو اس سلسلہ میں ان کا کلام کرنا ہی قاری کو ورطہ حیرت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے، چہ جائیکہ ''خطائے منکر'' کی نسبت کو ان کی طرف منسوب کیا جائے۔ اس لئے یہاں یہ تاویل کہ انہوں نے لعن طعن سے ممانعت کی بھی سود مند نہیں، کیونکہ ان اشعار میں مخاصمت میں کلام ہی کی ممانعت ہے۔

ایسے ہی اسی طرح اسی سلسلۃ الذہب میں یہ اشعار بھی قابل غور ہیں:۔

''وز رضوا عنہ منصب ایشاں رضی اللہ عنہ بدتری از ہمہ رضا کیشاں

چون ہمہ مرضی خداوند چہ غم از عمرو زید نہ پسندند

لعن کنز رافضی شود واقع شود آن لعن ہم بد و راجع ''(سلسلۃ الذہب، دفتر اول ص ۱۷۸)

ان اشعار میں نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی تعریف و توصیف ہے، بلکہ انہیں مطعون کرنے والے حضرات کے لئے اسی طعن سے بہرمند ہونے کی بشارت بھی ذکر کردی ہے، اس لئے ان سے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ایسے الفاظ منسوب نہیں کئے جاسکتے۔ پھر ان سے منسوب اشعار میں سے ایک شعر کچھ یوں ہے:۔

پنجہ درکن اسداللہی را پوست بدکن دوسہ روباہی را (سبحۃ الاسرار بحوالہ عبدالرحمٰن جامی ص ۱۹۵)

اس کا ترجمہ یوں ہے:۔

''آپ پنجہ اسداللہی کو مار کر دو تین لومڑیوں کی کھال ادھیڑ دیجئے''

اسی شعر کی بناء پہ آپ کو اثنا اشعری امامی کہا گیا ہے (الکنی والالقاب ج ۲ ص

۱۳۸) جبکہ دوسری طرف ان کا قلم خلفاء ثلاثہ کی مدح میں مصروف نظر آتا ہے۔لہذا مذکورہ تضاد بیانی کے پیش نظر بندہ ناچیز کے نزدیک اصحاب مصطفی کی مذمت میں موجود اشعار الحاقی ہیں،جس پہ ان کی دیگر تصانیف بھی شاہد ہیں،جن میں ایسے نظریات موجود ہیں جو ''شیعہ مکتب فکر'' کی نمائندگی کرتے پائے جاتے ہیں۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:۔

دوایک بیتیں سنیوں کے بزرگوں پر لگائیں جن سے صریح ان کا شیعہ ہونا معلوم ہو اور مخالفت اہل سنت کی اور اسی وزن وقافیہ اور صفت وصنعت کی تراشی ہیں۔اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے واسطے رفع اپنی خفت وخجالت کے ان بیتوں کو حذف اور ساقط کر دیا ہے۔اور یہ ماجرا اکثر مقبولوں اہل سنت مثل شیخ فرید عطار،اور شیخ اوحدی اور شمس تبریزی اور حکیم سنائی اور مولانا روم اور حافظ شیرازی اور حضرت خواجہ قطب الدین دہلوی اور امثال ان کے میں ظاہر ہوا ہے'' (ہدیہ مجیدیہ ترجمہ تحفہ اثناء عشریہ ص ۸۴)

ایسے ہی علامہ مولانا محمد علی صاحب ان کی کتب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''یادرہے کہ جامی کے بارہ میں اس وقت تک جو کچھ آپ نے پڑھ لیا ہے اس بات پر واضح دلیل ہے کہ جامی خالص سنی نہیں ہے۔لیکن اس کے حالات زندگی بتاتے ہیں کہ اس نے ایک ایسے شہر میں زندگی بسر کی ہے۔کہ جس کو شیعوں کا شہر قرار دیا جاتا ہے۔جیسا کہ اعیان الشیعہ میں ہراۃ کو شیعوں کا شہر قرار دیا گیا ہے۔اس کے پیش نظر یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ شیعوں نے اس کی کتب میں مذکورہ عبارات

داخل کر دی ہوں۔دوسرا اکابرین اہل سنت پیر مہر علی ،مجدد الف ثانی ، ملا قاری وغیرہ نے بڑے اچھے الفاظ سے جامی کا نام لیا ہے یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ عبارات جامی کی نہیں ہیں۔اس مذکورہ تاویل سے جامی سنی ثابت ہوا۔بہر صورت جامی کی کتب سے کوئی شیعہ اپنا مسلک ثابت کرتے ہوئے اہل سنت پر حجت قائم نہیں کرسکتا''(میزان الکتب ص ۵٦۴)۔

اب ذیل میں ان چند عقائد کا تذکرہ کیا جاتا ہے،جن سے مذہب شیعہ امامیہ کو تقویت ملتی ہے،جناب امام احمد بن حنبلؒ کا قول یوں نقل کرتے ہیں:۔

''ہمیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے صحابہ میں سے ماسوا حضرت شیر خدا علی المرتضیٰؓ کسی کے فضائل وشمائل نہیں ملے''(بارہ امام ص ۱۴،شبیر برادرز،اردو بازار لاہور)

جبکہ یہ قول امام صاحب کا نہیں بلکہ اس میں تدسیس وتدلیس واقع ہوئی ہے،اس قول سے دیگر تمام صحابہ کرامؓ کے مناقب کی تردید ظاہر ہوتی ہے جبکہ اصل قول میں محض زیادتی فضائل کا بیان ہے،ایسے ہی ایک راہب کے مسلمان ہونے کا تذکرہ کرتے ہیں،جس میں حضرت علیؓ سے جو کلمہ منسوب کیا ہے،اس میں ''علی وصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے الفاظ نقل کئے(شواہد النبوۃ ص ۲۸۷)ایسے ہی راہب سے آپ کی تعریف اور وصی ہونے کا تذکرہ کیا(شواہد النبوۃ ص ۲۸۸)جبکہ ایسی حکایات شیعہ حضرات کی تراشیدہ ہوتی ہیں،شاہ عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

''چند شعر لکھیں ان کی مدح میں جناب امیرؓ اور افضلیت ان کی بعد پیغمبر اور ان کی

امامت کا تعین اور حق ہونا مذہب شیعہ کا بیان کریں اور اس کو کسی یہود و نصاریٰ کافر ذمی سے نسبت دیں تا کہ نادان اہل سنت غلطی میں پڑ جائیں اور گمان کریں کہ اس ذمی نے جو کچھ اپنے اشعار میں لکھا ہے ضرور نکالا ہوا توریت یا انجیل یا اور صحیفوں منزلہ سے ہوگا جو انبیاء سابقین پر نازل ہوئے ہیں'' (تحفہ اثناء عشریہ ص ۱۰۸)

ایسے ہی حضرت علیؓ سے منسوب یہ الفاظ نقل کئے گئے :۔

''نبی رحمت کا وارث میں ہوں، سیدۃ نساء العالمین کا خاوند ہوں، وصیوں کا سردار میں ہوں، اوصیا کو ختم کرنے والا ہوں'' (شواہد النبوۃ ص ۲۹۳، بارہ امام ۴۵)

جبکہ حضرت علیؓ کے وصی ہونے کا عقیدہ شیعہ حضرات کا ہے، ایسے ہی لکھتے ہیں ہیں:۔

''حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس مجلس میں موجود تھا اور میں نے بھی یہ حدیث سنی ہوئی تھی لیکن اس کی شہادت نہ دی اور اسے پوشیدہ رکھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے بینائی چھین لی'' (بارہ امام ص ۴۵، شواہد النبوۃ ص ۲۹۳)

''سلسلۃ الذہب'' میں الحاق کا ثبوت مولانا جامی کی سوانح میں موجود مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ملتا ہے:۔

''جامی نے سلسلۃ الذہب کے دفتر اول میں قاضی عضد رحمۃ اللہ کی بعض کتب سے ایک تمثیل نقل کی ہے کہ اکثر لوگ عبادت کے وقت (خدا کی بجائے) کسی موہوم شے کے خیال میں گرفتار ہوتے ہیں فتحی نے اس تمثیل کے ابتدائی اور آخری

اشعار چھوڑ کر درمیان میں چند ایسے اشعار لے لئے جو اس فرقہ کے عقائد کا ماحصل ہیں اور پھر روافض کو دکھائے چنانچہ ایک بیحد متعصب رافضی نے اس فتنہ کو ہوا دینے کے لئے چند اشعار از خود بنا کر ان کے ساتھ لگا دیئے" (جامی ص ۱۶۸)

پھر سلسلۃ الذہب میں اشعار کی ترتیب بھی کافی حد تک معاملہ سمجھنے میں موئید ہے ،اصحاب رسول کی ترتیب کے ساتھ کی جانے میں مداح کا میں صدیق ،اکبر ،فاروق اعظم ،عثمان ابن عفان اور حیدر کرار کے بعد اصحاب مصطفی کی تعظیم کا درس اور باہمی مشاجرات میں سکوت کی نصیحت موجود ہے ،مگر اس کے بعد اچانک حیدر کرار کے بالمقابل حضرات کی خطا کا تذکرہ محض اچھبنے سے خالی نہیں ،اس سے ہمارے موقف کو تقویت پہنچتی ہے کہ یہ اشعار الحاقی ہیں۔ پھر بالفرض اگر ان شعار کو مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا تسلیم بھی کر لیا جائے ،تو جمہور امت کے بالمقابل ان کا موقف قابل قبول نہیں کیونکہ خود پیر نصیر الدین صاحب رقم طراز ہیں :۔

"جب کسی بات کو معقول انسانوں کی ایک بڑی جماعت تسلیم کر لے یا اسے صحیح کہہ دے تو دو چار کم فہموں کا اختلاف کسی تصنیف تالیف کے مرتبہ و مقام پر اثر انداز نہیں ہو سکتا" (نام و نسب ص ۴۵۷)

ہم کہتے ہیں ایسے ہی جب اہل سنت متفقہ طور پہ حضرت امیر معاویہؓ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں تو اس کے بالمقابل کسی کی رائے نہ ہی حجت ہے اور نہ اس میں اس قدر وزن ہے کہ وہ اہل سنت کے مذہب پر اثر انداز ہو سکے۔ اس کے بعد پیر صاحب کی جانب سے دوسرا حوالہ بہار شریعت کا پیش کیا گیا ،جس میں خطائے منکر کا

لفظ موجود ہے مگر اسے خطائے اجتہادی ہی کی قسم قرار دیا گیا ہے، جس میں بصورت خطاء ایک ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی علامہ صاحب رقم طراز ہیں:۔

''اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حضرت علیؓ برسر حق تھے اور حضرت امیر معاویہؓ کی اجتہادی خطا تھی'' (فتاویٰ امجدیہ ج ۳ ص ۵۲۱)

اس حوالہ بالا سے وضاحت ہوگئی کہ حضرت معایہؓ کی خطا اجتہادی ہی تھی۔ پیر صاحب اس حوالہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

''واضح ہو کہ بہار شریعت کی جلد اول فاضل بریلوی کی مصدقہ ہے'' (نام ونسب ص ۵۳۳)

گویا یہ تاثر پیدا کرنی کی سعی کی گئی ہے کہ امام اہلسنت بھی معاذ اللہ خطائے منکر کے قائلین میں شامل ہیں، جب ذیل میں اعلی حضرتؒ کی دوٹوک عبارت ان کا موقف واضح کئے دیتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

''اس کا (یعنی حضرت معاویہؓ پر الزام معصیت عائد کرنے کا) جواب بھی جواب اول سے واضح ہو چکا، بلاشبہہ ان کی خطا اجتہادی تھی اور اس خطا پر الزام معصیت عائد کرنا ارشاد الٰہی کے صریح خلاف ہے'' (فتاویٰ رضویہ ج ۲۹ ص ۳۶)

اس صریح عبارت سے واضح ہوا کہ حضرت معاویہؓ کی طرف معصیت کی نسبت ہرگز درست نہیں۔

تیسرا حوالہ موصوف کی جانب سے ''مفتی احمد یار خان نعیمی'' رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کیا گیا، مفتی صاحب مسلک اہل سنت کی ہر دلعزیز شخصیت اور عقائد حقہ کے ترجمان ہیں

جن کی بدولت انہیں حکیم الامت کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے، مفتی صاحب بھی خطائے اجتہادی ہی کے قائل ہیں، جس پہ ان کی پوری کتاب موجود ہے، لہذا یہ حوالہ بھی موصوف کو مفید نہیں۔

آخری حوالہ اپنے موقف کی تائید میں جناب نے مولانا مودودی کا پیش کیا، جو اس مسئلہ میں آنجناب کے ہی ہم زلف ہیں، اور جس طرح پیر صاحب آزادانہ تحقیق کے قائل ہیں، مودودی صاحب بھی اسی روش پہ عمل پیرا ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

میں نے ان پر انحصار کرنے کے بجائے براہ راست اصل مآخذ سے خود تحقیق کرنے اور اپنی آزادنہ رائے قائم کرنے کا راستہ اختیار کیا (خلافت و ملوکیت ص 321-320)

اس لئے ان کی بطور دلیل اہل سنت کے بالمقابل پیش نہیں کی جاسکتی۔ دوئم موصوف کے صحابہ کے متعلق نظریات روافض سے میل کھاتے ہیں، لکھتے ہیں:۔

لیکن ان کے بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف اعتراض بن کر رہیں۔ (خلافت وملوکیت ص106)

نیز لکھتے ہیں:۔

حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلا شبہ غلط تھا اور غلط کام بہر حال غلط ہے خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا

نہ عقل وانصاف کا تقاضہ ہے اور نہ دین کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے (خلافت وملوکیت، ص116)

کاتب وحی امیر معاویہؓ پر جھوٹا الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

ایک اور نہایت مکروہ بدعت حضرت معاویہؓ کے عہد میں یہ شروع ہوئی کہ وہ خود اور ان کے حکم سے ان کے تمام گورنر خطبوں میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سب وشتم کی بوچھاڑ کرتے تھے۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔ کسی کے مرنے کے بعد اس کو گالیاں دینا شریعت تو درکنار انسانی اخلاق کے بھی خلاف تھا اور خاص طور پر جمعہ کے خطبہ کو گندگی سے آلودہ کرنا تو دین واخلاق کے لحاظ سے سخت گھناؤنا فعل تھا (خلافت وملوکیت، ص۱۷۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مودودی صاحب لکھتے ہیں:۔

جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمانؓ کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا۔ انکے پورے زمانہ خلافت میں ہم کو صرف ایک ہی کام ایسا نظر آیا جس کو غلط کہنے کے سوا چارہ نہیں (خلافت وملوکیت، ص146)

خواجہ حسن نظامی

موصوف نے اپنی تائیں خواجہ حسن نظامی کا ایک علمی لطیفہ نقل کیا، اس سے پہلے کہ ہم اس پہ تبصرہ کریں، عرض ہے کہ موصوف بغض معاویہ کے مریض ہیں، ان کے اس علمی

لطیفہ سے مصنف نام ونسب تو محظوظ ہوں تو ہوں، اہل علم کے ہاں اس کی کچھ وقعت نہیں۔ان کی چند عبارات ملاحظہ ہوں:۔

''جب کہ صفین میں امیر معاویہ نے حضرت علی کے ساتھ عمرو بن عاص کے مشورہ سے فریب کیا'' (طمانچہ بر رخسار یزید ص ۱۲)

ایسے ہی حضرت معاویہ سے یہ الفاظ منسوب کئے:۔

''تم خود میرے سامنے مجرم کی حیثیت میں آئے ہو بتاؤ علی پر لعنت کرنی منظور ہے یا نہیں'' (طمانچہ بر رخسار یزید ص ۴۱)

ایسے ہی آپ پہ محبان علی کو بیگناہ قتل کرنے کا الزام لگایا (ایضا) حضرت معاویہ سے بے جا ظلم منسوب کیا (طمانچہ ص ۴۲) حضرت علیؓ کے قتل کی سازش کا الزام لگایا (طمانچہ ص ۴۷) یہ چند چیزیں بطور نمونہ ہم نے پیش کر دیں ہیں، وگرنہ یہ سارا کتابچہ بغض معاویہ سے مامور ہے۔ایسا شخص موصوف کے لئے استفادہ کا باعث بن سکتا ہے، اہل ایمان کے لئے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ہم نے یہاں خواجہ صاحب کے متعلق انتہائی اختصار سے تبصرہ کیا ہے، تفصیل مستقل عنوان سے آئندہ جلدوں کی زینت ہے۔

تاریخی روایات کی شرعی حیثیت

پیر صاحب تاریخی روایات کے متعلق اپنا نقطہ نظر ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:۔

''کتب احادیث کے متعلق بعض علماء کی مذکورہ آراء کو بیان کرنے کے بعد یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ محدثین کے ساتھ یہ برتاؤ کر سکتے

ہیں، وہ مئورخین کو خاک مقام دیں گے، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ایسے لوگوں کا تاریخ کے ساتھ بھی وہی سلوک ہے جو محدثین کے ساتھ تھا، ظاہر ہے اگر وہ سلف کے متعلق اپنی طرف سے کوئی رائے قائم کریں گے تو ہرگز نہیں مانی جائے گی، جب تک وہ کسی تاریخی کتاب کا حوالہ نہیں دیں گے، کیونکہ تاریخ ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو حال کو ماضی سے آگاہ کرتی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلسلہ وحی ختم ہے ،لہذا کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھے فلاں گزشتہ واقعہ کے متعلق الہام ہوا اور اگر الہام ہوا بھی تو اس کا تعلق صاحب الہام سے ہوگا۔ محققین کے نزدیک یا غیر مسلم دنیا کے لئے ایسے اضغاث واحلام کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اس لئے وہ لوگ جو بظاہر یہ کہہ دیتے ہیں کہ تاریخ غلط بھی ہوسکتی ہے، ان کی بات کسی حد تک مان لی جاسکتی ہے ۔جب ان کے نزدیک حدیث بھی موضوع یا ضعیف ہوسکتی ہے تو تاریخ کیونکہ مستند ٹھہرے گی، مگر تاریخ اور حدیث میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ضعیف احادیث کو ائمہ جرح وتعدیل نے الگ چھانٹ کر رکھ دیا ہے، مگر وہ وقائع جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد ظہور پذیر ہوئے، ان کی صحت وعدم صحت کے متعلق کوئی ایک معیار ضرور مقرر کرنا پڑے گا۔ وہ یوں کہ کسی مورخ کے بعد کا یہ مورخ یہ لکھے کہ فلاں شخص نے جو واقعہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے وہ ان وجوہ کی بناء پر غلط ہے اور وہ اس کا پورا ثبوت بھی دے، جس طرح فن حدیث میں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی مورخ اپنے ماسبق مورخ کی تکذیب بھی نہیں کرتا تو پھر اس واقعہ کو کیوں تسلیم نہ کیا جائے۔ اگر آپ تاریخ کو اتنا ہی غیر مستند مان لیں تو پھر آپ لوگوں کو

حکیم فیض عالم کا ہم خیال بھی ہونا پڑے گا'' (نام ونسب ص ۵۴۸۔۵۴۹)

اس تاویل اقتباس میں پیر صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ جن حضرات نے تاریخ پہ جرح کی روش اختیار کی ہے وہ صحیح نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ناصبیت کی طرف لیجانے کا وسیلہ بھی ہے۔تاریخی روایات کی استنادی حیثیت پہ اللہ رب العزت نے چاہا تو کبھی تفصیلی کلام بھی ہدیہ قارئین کر دیا جائے گا، سر دست اتنا عرض ہے کہ صحابہ کرامؓ محض تاریخی شخصیات نہیں بلکہ ان حضرات کی ثقاہت خود قرآن سے ثابت ہے، اس لئے ایسی روایات جو خود مجروح ہوں صحابہ کرام پہ جرح کا سبب ہرگز نہیں بن سکتی۔جن محدثین نے کتب سیر میں ایسے رواۃ کے بیانات کو قبول کیا ہے انہوں نے بھی ایسے وقائع کی تردید کی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابہؓ کی ذات کو مجروح کرتے نظر آتے ہیں، جس کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔پھر خود قرآن اخبار کے متعلق تحقیق کرنے اور فاسق کی خبر کو ترک کر دینے کا حکم بیان کرتا ہے، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:۔

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو (الحجرات:٦)

یہ آیت واضح طور پہ چھان بین کا حکم صادر کر رہی ہے۔اب ہم تاریخ کے متعلق خود ائمہ سلف کے بیانات نقل کئے دیتے ہیں، محدث ابن صلاحؒ لکھتے ہیں:۔

''راویان خبر کے ذہن پر کثرت روایات کی فکر غالب رہتی ہے غلط سلط جیسی خبر سامنے آئے لکھتے چلے جاتے ہیں'' (فتح المغیث ص ۵۸۳)

علامہ ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں:۔

''مطلب یہ ہے کہ صحابہؓ کی لڑائیاں اس طرح بیان کرنا جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو کسی بدگوئی کا موقع ملے نہ چاہئے بعض جاہل لوگ جن کی عادت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں نقل کر دیتے ہیں اور ظاہری مطلب مراد لیتے ہیں نہ سند پر غور کرتے ہیں، نہ حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں، اس میں بڑا افساد ہوتا ہے اور عوام کو سب صحابہ کا موقع ملتا ہے۔ صحابہ کی شان یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کو ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو روشن سنت انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی یا دیکھی وہ ہم تک پہنچائی اور وہ احکام جن کا علم ان کے سوا کسی کو نہ ہو سکتا تھا ہم کو تعلیم کئے، پس اللہ ان سے راضی رہے اور ان کو راضی کرے'' (تطہیر الجنان ص ۱۷)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رقم طراز ہیں:۔

''اہلسنت و جماعت کا اجماع ہے کہ جو مشاجرات ثابت ہیں ان کی تاویل کر کے عوام الناس کو وساوس سے بچایا جائے اور جو تاویل کے قابل نہیں وہ مردود ہیں اس لئے کہ صحابہ کرام کی فضیلت، حسن سیرت اور حق کی اتباع نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور اسی پر اہل حق مجتمع ہیں، پھر روایات احاد کس طرح اس کی معارض ہو سکتی ہیں، اور روایات بھی متعصبین کا ذہین رافضیوں کی'' (دفاع سیدنا امیر معاویہ ص ۱۴۳)

محمد صدیق ضیاء نقشبندی صاحب لکھتے ہیں:۔

''یہ تاریخ مرتب کرنے والے مورخین بھی انسان ہی ہیں۔ان کا بھی ذہنی وفکری کمزوریوں سے محفوظ ہونا ضروری نہیں۔پھران کا موقع بموقع موجود نہ ہونے کی صورت میں حقیقت حال سے بے خبر رہنا اور غیر مصدقہ معلومات کی بناء پر واقعات مرتب کر دینا یا ذاتی جذبات سے مغلوب ہو کر حقائق سے چشم پوشی کر جانا اور کسی شخصیت کے بارے میں ''خلاف حقیقت ذاتی نظریات'' کو تاریخ کا حصہ بنا دینا بھی بعید از قیاس نہیں (فضائل امیر معاویہ اور مخالفین کا محاسبہ ص ۲۷)

حضرت علامہ مولانا دیدار علی شاہ صاحب رقم طراز ہیں:۔

با آنکہ آیات واحادیث صحیحہ کے مقابلہ میں محققین کے نزدیک تاریخی وخبر احاد کسی طرح نہیں آسکتیں (شان امیر معاویہ ص 21)

حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:۔

یہ مورخین کی روایتیں تو عموما بے سرو پا ہوتی ہیں۔نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے۔نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے۔نہ انفصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے۔اور اگر بعض مقتدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموما ان میں ہر غث وسمین سے اور ارسال وانقطاع کا کام لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد ان اخبار کو مستفاض اور متواتر قرار دینا بالکل غلط ہے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ احادیث کی بھی موجود ہوتیں تو مردود یا مئول قرار دی جاتیں، چہ جائے کہ روایات تاریخ (مکتوبات ج ا ص ۲۸۸)

مفتی شفیع عثمانی لکھتے ہیں:۔

پوری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی معرفت، ان کے درجات اور ان میں پیش آنے والے باہمی اختلافات کا فیصلہ کوئی عام تاریخی مسئلہ نہیں بلکہ معرفت صحابہ تو علم حدیث کا اہم جزء ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ایسا مسئلہ جو عقائد اسلامیہ سے متعلق ہے اور اسی مسئلے کی بنیاد پر بہت سے اسلامی فرقوں کی تقسیم ہوئی ہے، اس کے فیصلے کے لئے بھی ظاہر ہے کہ قرآن وسنت نصوص اور اجماع امت جیسی شرعی حجت درکار ہیں، اس کے متعلق کسی روایت سے استدلال کرنا ہے تو اس کو محدثانہ اصول تنقید پر پرکھ کر واجب ہے۔اس کو تاریخی روایتوں میں ڈھونڈنا اور ان پر اعتماد کرنا، اصولی اور بنیادی غلطی ہے۔وہ تاریخیں کتنے ہی بڑے ثقہ اور معتمد علمائے حدیث ہی کی لکھی ہوئی کیوں نہ ہوں، ان کی فنی حیثیت ہی تاریخی ہے جس میں صحیح وسقیم روایات جمع کر دینے کا عام دستور ہے (مقام صحابہ ص ۲۹)

خود امام طبری رقم طراز ہیں:۔

فما يكن في كتابي هذا من خبر ذكرناه عن بعض الماضين مما يستنكره قارئه، أو يستشنعه سامعه، من أجل أنه لم يعرف له وجها في الصحة، ولا معنى في الحقيقة، فليعلم انه لم يؤت في ذلك من قبلنا، وإنما أتي من قبل بعض ناقليه إلينا، وإنا إنما أدينا ذلك على نحو ما أدي إلينا [تاريخ الطبري: 8/1]۔

ترجمہ: ہماری اس کتاب میں جو بعض ایسی روایات ہیں جنہیں ہم نے پچھلے لوگوں سے نقل کیا ہے، جن میں ہماری کتاب پڑھنے والے یا سننے والے اس بنا پر نکارت وشناعت محسوس کریں گے، کہ اس میں انہیں صحت کی کوئی وجہ اور معنی میں کوئی حقیقت نظر نہ آئے، انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کا اندراج ہم نے خود اپنی طرف سے نہیں کیا ہے بلکہ اس کا منبع وہ ناقل ہیں جنہوں نے وہ روایات ہمیں بیان کیں، ہم نے وہ روایات اسی طرح بیان کردی جس طرح ہم تک پہنچیں۔

ایک خاص واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

۳۰ھ میں حضرت ابوذر غفاری کا امیر معاویہ سے اختلاف ہوا اور امیر معاویہ نے انہیں شام سے مدینہ کی طرف بھجوا دیا۔ انہیں شام سے بھجوانے کے بارے میں بہت سی باتیں کی گئی ہیں ان میں سے اکثر باتیں ایسی ہیں جس کا ذکر میں پسند نہیں کرتا ہوں (تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۲۰)

علامہ معلمی رحمہ اللہ (المتوفی 1386) فرماتے ہیں:

أن حاجة التاريخ إلى معرفة أحوال ناقلي الوقائع التاريخية، أشد من حاجة الحديث إلى ذلك؛ فإن الكذب والتساهل فى التاريخ أكثر

تاریخ کو حدیث سے کہیں زیادہ اس بات کی ضرورت ہے کہ تاریخی واقعات نقل کرنے والے راویوں کی معرفت حاصل کی جائے کیونکہ جھوٹ اور تساہل کا وجود تاریخ میں بہت زیادہ ہے۔]علم الرجال وأہمیتہ للمعلمی ص: 257[

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:۔

اسرائیلات کے بارے میں وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی شارع اسلام علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور یہ کہ ان میں اور قرآن پاک میں بیان کردہ قصص میں کوئی تضاد نہیں۔۔۔۔۔۔البتہ ہم نے ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے گریز کیا ہے جن میں علماء و مورخین سے سہوا غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں (البدایہ والنہایہ ج ا ص ۴۴)

یہاں علامہ ابن کثیرؒ نے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ مورخین سے بھی اغلاط ہوئی ہیں اور ایسی روایات سے انہوں نے احتراز برتا ہے، اس کے باوجود اپنی نقل کردہ روایات پہ تبصرہ بھی قلمبند کیا ہے، مثال کے طور پہ لکھتے ہیں:۔

ابن جریر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے مدینہ طیبہ سے تمام شہروں میں خطوط لکھے جن میں لوگوں کو سیدنا عثمانؓ کے خلاف قتال پر اکسایا گیا (البدایہ ج ۸ ص ۱۸۵)

ابن خلدون بھی ناراض نظر آتے ہیں، چانچہ لکھتے ہیں:۔

بڑے بڑے مورخین اسلام نے مفصل تاریخیں لکھیں اور دنیا کے واقعات پورے پورے قلمبند کئے اور کتابوں میں محفوظ کیے۔لیکن افسوس بن بلائے ہوئے نالائق مہمانوں نے تاریخ میں جھوٹے اور خودساختہ افسانے ملا دیئے۔اوہام خیالات بھر دیئے اور کمزور منقولہ اور خودتراشیدہ روایات کے خوبصورت حاشیے۔پھر بعد والے انہی کے بتائے ہوئے راستے پہ چل پڑے لکیر کے فقیر بن گئے اور جو کچھ

واقعات انہوں نے سنے تھے وہی بلا کم و کاست ہم تک پہنچا دیئے۔ انہوں نے واقعات کے کے اسباب پر غور و فکر نہیں کیا اور نہ ان کی رعایت مدنظر رکھی اور بے بنیاد اور اڑائی ہوئی باتیں بھی نہیں چھوڑیں اور نہ ان کا معقول جواب دیا غرض کہ تحقیق برائے نام بھی نہیں کی گئی اکثر واقعات میں تنقیح کی دھار مڑھی ہوئی ہے اور خبروں میں اغلاط و اوہام خبروں کے ہم نسب، ہم دم اور ہم قدم ہیں۔ تقلید انسانی طبیعتوں میں راسخ ہوگئی ہے اور اپنی جڑیں پھیلا چکی ہے (مقدمہ ابن خلدون ج ا ص ۱۱۴)

آخر میں عرض ہے کہ اگر تاریخی واقعات کو ایک خاص تناظر میں لیکر کسی کی بھی شخصیت کو مجروح کرنا ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ و دیگر شخصیات بھی اس کی زد میں آئیں گیں۔ اس لئے سکوت احوط ہے۔

تاریخ اور مستشرقین

پیر صاحب اپنی انوکھی تحقیق سے قارئین کے علم میں اضافہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اب دیکھئے کہ ایک کافر مطلق بھی حضور کے متعلق وہی کچھ کہہ رہا ہے، جو ایک مسلمان کہتا ہے۔ ان حقائق و شواہد کو لے کر مستشرقین محققین نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بغور دیکھا اور کوشش کی کوئی ایسا کمزور پہلو نکل آئے، جس کو سامنے رکھ کر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عیب کی نشان دہی کر سکیں، مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے" (نام و نسب ص ۵۴۹)

موصوف کی مندرجہ بالا عبارت کا مطالعہ کرنے کے بعد بے ساختہ زبان سے یہی جاری ہوا کہ ''اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا''۔ یا تو پیر صاحب کی نظر سے مستشرقین کی کتب گزری نہیں یا کسی افواہ نے ان کے ذہن کے دریچوں پہ یہ رائے مرتسم کی ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ کتب تاریخ میں ایک قصہ بعنوان ''قصہ غرانیق کے نام سے مشہور ہے، ہم اسے مستشرقہ کی زبانی نقل کئے دیتے ہیں، وہ لکھتی ہیں:۔

In 616, some of Quraysh attacked the Muslims while they were performing their ritual parayers in the one of the glens outside the city theis incident shocked everybody in Mecca, and both sides desperately tried to reach a modus vivendi.This may have led to the nototrious ancident of 'satanic verses'.The episode is recounted by only two of Muhammad's early biographers, and some scholars believe it to be apocryphal, though it si hard to see why any body would make it up. (Muhammad : A Prophat of our Time Page 57)

اس کے بعد ''طبری'' سے واقعہ نقل کر کے یوں تبصرہ کرتی ہیں:۔

While everybody else celebbrating, Muhammad went home, shut himself away, and mediated.That night Gabriel, the spirit of relevetion, came to him:'What have you done, Myahmmad?'he asked.You have recited to those people something i did not bring you from God and have said what He did not say to you!' Muhammad's wish for a compromise had distorted the divine messege"(Muhammad : A Prophat of our time,page 58-59)

اس اقتباس میں موصوفہ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکین مکہ سے مصالحت کے لئے تیار ہو گئے تھے، اب کیا پیر صاحب اس واقعہ یا نتیجہ کو تسلیم کرنے کے لئے اس بناء پہ تیار ہیں کہ یہ تاریخ کی کتب میں مرقوم ہیں، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر دوسروں کو تاریخ پہ ایمان لانے کا درس دینا بھی درست نہیں اور یہ کہنا کہ کسی مستشرق نے تاریخ کی بناء پہ اعتراض نہیں کیا، تحقیق سے بعید ہے۔اسی لئے محققین نے اس واقعہ کی سختی سے تردید کی ہے، تفصیل کے شائق حضرات ''تبیان الفرقان'' از علامہ غلام رسول سعیدی ملاحظہ کریں۔اسی تاریخ میں اور بھی ایسے واقعات ثبت ہیں جو اہل

ایمان کے عقائد کو متزل زل کرنے کے لئے مستشرقین نے بطور ہتھیار استعمال کئے ہیں۔علامہ محب الدین خطیب لکھتے ہیں:۔

تاریخ اسلامی کی تدوین بنوامیہ کے زوال کے بعد شروع ہوئی اوران حکومتوں کے قیام کے زمانہ میں ہوئی جن کا برسر اقتدار طبقہ اپنے اس ماضی کے مفاخر اور اس وقت کے ارباب اقتدار کے محاسن سے خوش نہیں تھے۔چنانچہ تاریخ اسلام کی تدوین تین قسم کے گروہوں نے کی۔پہلا گروہ وہ تھا جس کی زندگی کا مقصد وحید بنو امیہ کے بغض اور مخالفت میں کتابیں تالیف کرنا اوران کے کاموں میں کیڑے نکالنا اوران کیے دشمنوں کی نگاہ میں تقرب حاصل کرنا تھا (العواصم من القواصم ص ۱۸۸)

اسی تاریخ میں حضرت جھجاہ غفاری کے حضرت عثمان کے متعلق مندرجہ بالا الفاظ نقل کئے گئے:۔

''حضرت عثمان نے خطبہ دیا تو جھجاہ غفاری کھڑا ہوگیا اور چلا کر کہنے لگا: ''اے عثمانؓ! ہم یہ بوڑھا اونٹ لائے ہیں اس پر عبا پڑی ہوئی ہے آپ اتریں تو ہم آپ کو عبا پہنا کر اس اونٹ پر سوار کرائیں گے،اور پھر آپ کو جبل وغان میں پھینک دیں گے'' اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا: اللہ تجھے غارت کرے اوراس کو بھی جو تو لایا ہے'' (تاریخ طبری، مترجم ج ۳ حصہ اول ص ۴۱۹، زیر تحت حضرت عثمان کی خلافت)

لہذا تاریخ جب تک تحقیق کی چھلنی سے نہ گزرے قابل اعتماد نہیں ہوسکتی۔

صلح بر کدورت

اس کے بعد پیر صاحب نے ''فتاویٰ مہریہ'' کے حوالے سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح کو صلح بر کدروت قرار دیا، جبکہ جس حدیث کی بنیاد پہ یہ رائے قائم کی گئی ہے اولاً تو اس کے متعلق عرض ہے کہ وہ مجمل ہے اور اس کے تعین میں اختلاف ہے، جبکہ اس صلح کی تحسین واضح طور پہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے، آپ کا ارشاد ہے:۔

''میرا یہ بیٹا سردرا ہے، اللہ نے چاہا تو اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا (بخاری، کتاب الصلح)

اس لئے جب واضح اس صلح کی تائید موجود ہے تو اس کے بالمقابل مجمل قول سے استدلال حجت نہیں۔

خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی حیثیت

پیر صاحب کو حضرت معاویہ کے دور خلافت سے بھی پریشانی ہے، آپ کے دور خلافت کی شرعی حثییت پہ چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس معاملہ کا پہلا دور نبوت اور رحمت کا ہوگا۔ پھر خلافت اور رحمت کا دور ہوگا۔ پھر ملوکیت اور رحمت کا دور ہوگا۔ پھر امارت اور رحمت کا دور ہوگا۔ پھر لوگ اس معاملہ میں ایک دوسرے پر گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔اور تمہارا بہترین جہاد دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار رہنا ہے اور ایسی بہترین تیاری کی جگہ عسقلان ہے۔] المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۸۸)

اس حدیث کو نقل کرنے بعد علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں :۔

''اس حدیث کو ''طبرانی'' نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی فضیلت صاف ظاہر ہے کیونکہ جو سلطنت کہ بعد خلافت ورحمت کے ہوئی وہ حضرت معاویہؓ کی سلطنت تھی''(تطہیر الجنان ص ۳۷)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں :۔

''اہل خیر کے مختلف مراتب ہوتے ہیں ،اور ان میں سے ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے اعتبار سے قابل اعترض ہوتا ہے۔۔اسی لئے مقولہ مشہور ہے کہ ''نیک لوگوں کی حسنات مقرب لوگوں کی برائیاں ہوتی ہیں''۔۔۔۔۔۔۔۔رہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سو انہوں نے اگرچہ کسی منکر کا ارتکاب تو نہیں کیا لیکن انہوں نے مباحات میں توسع اختیار کیا ،اور حقوق خلافت کی ادائیگی میں وہ خلفائے راشدین کے درجے میں نہیں تھے ،لیکن ان کی برابری نہ کرسکنا کسی قدح کا موجب نہیں ہے ''(النبراس ص ۵۱۰)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبیٰ ہرگز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ ورسول اسے جائز رکھتے''(فتاوی رضویہ ج ۲۹ ص ۵۴)

مزید فرماتے ہیں :۔

''ابو بکر صدیق ،عمر فاروق ،عثمان غنی ،مولا علی ،امام حسن ،امیر معاویہ اور عمر بن عبد

العزیز کی خلافت خلافت راشدہ تھی'' (ملفوظات اعلیٰ حضرت ص ۳۱۹)

فیض احمد اویسی صاحب لکھتے ہیں:۔

امیر معاویہ و عمر بن عبد العزیز کی خلافت کو مطلق خلافت راشدہ نہیں بلکہ مشابہ خلافت راشدہ کہا جائے گا (حضرت امیر معاویہ ص 51)

حضرت معاویہ اور کاتب وحی

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے کاتب تھے اور عام کتابت کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتابت وحی کی بھی ذمے داری عطا فرمائی۔ (صحیح مسلم، جلد 4، صفحہ نمبر 1945، رقم 2501) (صحیح ابن حان، جلد 16، صفحہ نمبر 189، رقم 7209) (المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 13، صفحہ نمبر 554، رقم 14446- سند حسن) (مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ نمبر 357، رقم 15924) (دلائل النبوۃ، جلد 6، صفحہ نمبر 243 -قد صح عن ابن عباس) (تاریخ اسلام، جلد 4، صفحہ نمبر 309) (الشریعہ، جلد 5، صفحہ نمبر 2431) (المبسوط، جلد 24، صفحہ نمبر 47) (الاعتقاد، صفحہ نمبر 43) (الحجۃ فی بیان المحجہ، جلد 2، صفحہ نمبر 570، رقم 56) (الذخیرۃ، جلد 1، صفحہ نمبر 110) (الاباطیل والمناکیر، صفحہ 116، رقم 191) (کتاب الاربعین، صفحہ نمبر 174، چشتی) (تاریخ دمشق الکبیر، جلد 59، صفحہ نمبر 55، رقم 7510) (کشف المشکل، جلد 2، صفحہ نمبر 96) (الفخری

فی الآداب، صفحہ نمبر 109)(جامع المسانید، جلد 8، صفحہ نمبر 131، رقم 1760)(الاعتصام، صفحہ نمبر 239)(امتاع الاسماع، جلد 12، صفحہ نمبر 113)(تقریب التھذیب، صفحہ نمبر 470، رقم 675، چشتی)(عمدۃ القاری، جلد 2، صفحہ نمبر 73، رقم 71)(المواھب اللدنیہ، جلد 1، صفحہ نمبر 533)(ارشاد الساری، جلد 1، صفحہ نمبر 170، رقم 71)(الصواعق المحرقہ، صفحہ نمبر 355)(سمط النجوم، جلد 3، صفحہ نمبر 155)(تفسیر روح البیان، جلد 1، صفحہ نمبر 180)(فتاوی رضویہ جلد 26، صفحہ نمبر 492)(شان صحابہ، صفحہ نمبر 32)

جب کہ دوسری جانب پیر صاحب اپنی رافضیت سے مجبور ہو کر اس فضیلت کا انکار فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

امارت بنوامیہ کے بانی، بعض خطوط نبویہ کے کاتب تھے، البتہ صحیح قول کے مطابق کاتب وحی نہ تھے (نام ونسبت ص 881)

تفضیل علی

موصوف لکھتے ہیں:۔

اصحابی کالنجوم کا ارشاد بھی بجا

سب سے مگر بلند ستارا علی کا ہے (فیض نسبت ص 71)

موصوف کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے افضل عقیدہ اہل سنت کی خلاف ورزی اور رفض کی حمایت ہے۔ایسا عقیدہ رکھنے والا اکابرین امت کے نزدیک ہرگز سنی

نہیں۔امام عبدالشکور سالمی لکھتے ہیں:۔

روافض کا بعض کلام جو بدعت ہے کفر نہیں ہے وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم سے افضل ہیں" (تمہید عبدالشکور سالمی ص181)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

عشرہ مبشرہ میں سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر بن خطاب ہیں پھر حضرت عثمان بن عفان ہیں پھر حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہم ہیں اس میں صرف بدلتی، منافق اور خبیث، ہی شک کرے گا" (کتاب الکبائر ص232)

امام سرخسی فرماتے ہیں:۔

روافض میں سے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے علاوہ حضرت ابوبکر وعمر پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے (خلاصہ الفتاویٰ ج1 ص149)

7۔انور شاہ

موصوف کا تعلق سدرہ شریف کے آستانے سے ہیں، دور حاضر میں رفض پھیلانے کی ذمہداری موصوف نبھا رہے ہیں، اس کے لئے پیسے کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ذیل میں ان کے رفض پہ مشتمل چند نظریات کا تذکرہ رقم کیا جاتا ہے۔

ابوطالب پہلے صحابی اور منکر ایمان کافر

موصوف اپنی ایک تقریر میں کہتے ہیں:۔

ابو طالب پہلا مسلمان پہلا صحابی اور کفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور ہمارے لیے ایمان آزمانے کے لئے ایمان کی کسوٹی ہے۔۔۔۔جو ان کے بارے میں گندی زبان ہلائے وہ ہمارا نہیں۔۔۔اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ مومن ہیں۔اور جو علی کے باپ کو کافر کہے وہ مومن ہے؟ کبھی بھی نہیں (تقریر)

قارئین! یہ فتویٰ تمام محدثین ومفسرین صوفیاء اور اکابرین امت پہ لگتا ہے۔جو اس کے عدم ایمان کے قائل ہیں، ہم چند حوالہ جات پیش کئے دیتے ہیں، حضرت صوفی سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ان میں ایک ابو طالب تھے جن کا نام عبد مناف تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد عبداللہ اور عاتکہ کے جنہوں نے واقعہ بدر خواب میں دیکھا تھا ماں جائے بھائی تھے والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا۔ابو طالب نے حالت کفر میں انتقال کیا (لطائف اشرفی

جلد 2 صفحہ 315)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاوں کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:-

حضور کے چاچا میں حارث ، قثیم ،زبیر ،حمزا، عباس ،ابوطالب،،عبدالکعبہ،حجل ، غیدک ،ابولہب ،مغیرہ،، گیارہ چاچا تھے اور 6 پھوپیاں صفیہ، عاتیکہ ،عروہ،ام "،برہ،،امیمہ تھیں ان تمام میں صرف حضرت حمزہ اور حضرت عباس اور صفیہ تین حضرات مشرف بہ اسلام ہوئے (سرور المحزون صفحہ 20،21)

حضرت سیدنا بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ جوامع الکلیم میں فرماتے ہیں:-

اسی طرح حضرت ابو طالب کے عذاب میں تخفیف کی وجہ ان کی وہ امداد تھی جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے کی اگرچہ یہ امداد بھی خدا کی مہربانی سے تھی (شرح جوامع الکلیم صفحہ 507)

صوفی بزرگ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

آن حضرت کے چچے اور پھوپھیاں حارث۔ قثم ،زبیر،حمزہ،عباس،ابو طالب،عبدالکعبہ،حجل ،ضرار،غیداق،ابو لہب، صفیہ،عاتیکہ،اروی،ام حکیم،برہ،امیمہ،اس جماعت میں سے حضرت حمزہ وعباس وصفیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وعلیہن ایمان لائے (تحقیق الحق فی کلمۃ الحق صفحہ 153)

حضرت خواجہ سلیمان تونسوی فرماتے ہیں:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت کوشش کی کہ میرا چاچا ابو طالب ایمان لے آئے اور

ابو طالب سے فرمایا کہ میرے کان میں کہہ دو کہ آپ پیغمبر برحق ہیں میں قیامت کے دن تمہارا ایک ہی گواہ تمہارے ایمان کے لئے کافی ہوں گا ابو طالب نے کہا مجھے شرم آتی ہے کہ لوگ کہیں گے اپنے برادر زادے کا تابع ہو گیا اور اس پر ایمان لے آیا میں نے اس عار کی وجہ سے دوزخ کو اختیار کیا (تذکرہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی صفحہ 357، نافع السالکین صفحہ 151)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری فرماتے ہیں:۔

استدلال میں ابو طالب سے بڑھ کر کون تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی تھی لیکن ابو طالب کے لئے چونکہ بدبختی کا حکم جاری ہو چکا تھا {توفیق الٰہی ان کے مقدر میں نہ تھی} اس لئے {اور تو اور} خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دلیل اور رہنمائی بھی اس {ابو طالب) کے لئے سودمند ثابت نہ ہو سکی (کشف المحجوب صفحہ 432)

میسون بنت بحدل رضی اللہ عنہا پہ ہرزہ سرائی

ایک کافرہ کا بیٹا تھا۔ اس کی ماں عیسائی تھی عیسائی رہی عیسائی مرگئی (تقریر)

حضرت میسون کے رضی اللہ عنہا حوالہ سے عرض ہیکہ ان کی ذات ک وجروح کرنے کے لئے جتنے حوالجات دیئے جاتے ہیں ان کا مرکزی راوی ابن درید ہے جو صحابہ کو گالیان دیا کرتا تھا۔ ایسی روایات کا سہارا لیکر ایک تابعیہ کی توہین کر کے روافض کو خوش کرنا ہرگز اہل سنت کا طریقہ نہیں۔

حضرت معاویہ وابوسفیان کے خلاف ہرزہ سرائی

موصوف کے متعلق اہل سنت کی جانب سے ایک اعلامیہ شائع کیا گیا، اس میں ہے:۔

اعلامیہ میں طے پایا ہے کہ پیر انور شاہ گیلانی نے حال میں دربار حسین شاہ دری ڈھولے والی ایک اجتماع میں خطاب کے دوران حضرت امیر معاویہ وحضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں قاتل جیسے جملے ادا کئے اس کے علاوہ انہوں نے کئی خطابات میں صحابہ کرام کے بارے میں انتہائی توہین آمیز گفتگو کی ہے جس کی بھرپور مذمت کرتے ہیں اور فکر مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ودیگر اکابرین امت کے متفقہ عقائد کے برخلاف فاسد نظریات کو فسق و فجور پر محمول کرتے ہیں جس سے توبہ واجب ہے۔ پیر انور شاہ گیلانی اور اب کے معتقدین جو ان نظریات کے حامل ہیں جب تک اپنے ان ناپاک عقائد ونظریات سے اعلانیہ توبہ ورجوع نہیں کرتے اس وقت کی ان کی بیعت واقتداء ناجائز وحرام ہے (انور شاہ گیلانی اوران کے متبعین کے گمراہ کن اور توہین آمیز افکار ونظریات سے برات کا اعلان ص2-3)

8۔طیب شاہ

موصوف کی ایسی حیثیت تو نہیں کہ ان کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ ان کی تقاریر دیگر رافضیوں کی مرہون منت ہیں، لیکن انور شاہ کے مرید خاص ہونے کی وجہ سے ہم ان کے اعتراضات کا جواب نقل کئے دیتے ہیں۔ موصوف کی رافضیانہ تقریر سے ہم

اعتراض کا خلاصہ نقل کریں گے ساتھ میں تقریر کی طرف نشاندہی کر دی جائے گی تحقیق کے شائق وہاں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

شہادت امام حسن

قارئین! گرامی صلح امام حسن نے شیعہ اور ان کے ہمنوا حضرات کو کافی پریشان کیا ہوا ہے، اس سلسلہ میں موصوف نے بھی کافی واویلا کیا ہے، ان کی یہ تقریر یوٹیوب پہ موجود ہے (shahadat e imam Hassan (A.) kaisy hoi by Tayyab shah Gillani)

موصوف نے اس تقریر میں روافض کی دیکھا دیکھی کچھ اعتراضات اٹھائے ہیں، ہم ان کا جواب رقم کئے دیتے ہیں۔

اعتراض۔ حضرت امام حسن نے بہت سی تکالیف اٹھائیں، ادھر دشمن تھا جو اقتدار کا طالب تھا، ادھر اپنے تھے جو جان لینے کے طالب تھے، تو آپ نے دشمن کو اقتدار دے دیا

جواب:۔ موصوف کے یہ سارے اعتراضات روافض کے مرہون منت ہیں، بعینہ روافض کی نقل کرتے ہوئے موصوف کو کچھ لجانہ آئی کہ حضرت معاویہ کو حضرت حسن کا دشمن کہا، جنہیں خود مولا علی نے اپنا بھائی کہا، جیسا کہ ہم حوالہ جات نقل کر چکے۔ پھر پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ارشادات میں ہے:۔

یہ پیر بھائیوں کا سلسلہ کب سے جاری ہوا۔ اس امت میں سب سے پہلے پیر بھائیوں

کا سلسلہ صحابہ کرام سے شروع ہوا یہ سب ایک دوسرے کے پیر بھائی تھے۔ جو کچھ صحابہ کرام کو ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں محبت تھی اس کی نظیر آج محال ہے۔ اس کے بعد یہ اتحاد محبت کا سلسلہ اب تک اسی طرح سینہ بہ سینہ چلا آتا ہے (ارشادات امیر ملت ص86)

پھر جب سامع موصوف کے اس بیان کو اپنی سماعت کے گوش گزار کرتا ہے کہ امام حسن کے اپنے ان کے مخالف تھے، تو لامحالہ اس کے اندر یہ تجسس ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس کا سبب کیا تھا؟۔ ناظرین! روافض اور ان کے نمائندگان صلح امام حسن کے اسباب میں سے ایک سبب امام حسن کے اپنوں کی مخالفت کو بھی قرار دیتے ہیں۔

اعتراض: صلح اصل میں امام حسین کی شہادت کی اینٹ رکھی گئی تھی

جواب:۔ قارئین! قابل توجہ بات ہے کہ یزید کے فعل کی ذمہ داری امام حسن پہ ڈالی جارہی ہے کہ اگر وہ صلح نہ کرتے تو امام حسین شہید نہ ہوتے۔ بلکہ اس صلح کی پیش گوئی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی تھی، کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اس کا ذمہ دار ٹھہرائیں گے؟۔ پھر موصوف خود اپنی تقریر میں صلح کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صلح اس لئے کی گئی کہ امام حسن کے اپنے لوگ ان کی جان کے دشمن تھے ، کسی نے خنجر سے وار کیا اور کسی نے خیمہ لوٹ لیا۔ یہ واقعات قاتل کے چہرہ سے نقاب ہٹانے کے لئے کافی ہیں، جس سے واضح ہوتا ہے کہ خود شیعان حسن نے یہ کام کیا تھا، جس کا سبب صلح تھی جسے وہ برداشت نہ کر پائے۔

اعتراض:۔ان میں ایک شق یہ بھی تھی کہ اقتدار لے لو مگر میرے باپ کو گالیاں نہ نکالنا۔لیکن انہوں نے نہیں چھوڑی۔دی گالیاں۔برا بھلا کہا۔

جواب:۔قارئین! بندہ ناچیز اس اعتراض کے حوالہ سے کافی کچھ لکھ چکا ہے، یہاں صرف اتنا عرض ہے کہ اس بد بخت نے یہ بات کرتے ہوئے یہ بھی نہ سوچا کہ کسی کے باپ کو گالی دی جائے تو گالی دینے والے کی طرف کوئی تھوکنا گوارا نہیں کرتا، مگر امام حسن نذرانہ وصول کرتے رہے، جن شرائط کا سہارا لیکر موصوف حضرت معاویہ پہ طعن کرنے میں مصروف ہیں، انہیں شرائط میں یہ موجود ہے کہ حضرت حسن نے اپنا قرضہ معاف کروانے کے ساتھ ساتھ سالانہ وظائف کی شرائط بھی طے کیں۔اب کوئی دل جلا موصوف کی زبان میں یہ کہہ دے کہ امام حسن نے باپ کو گالیاں گوارا کرلیں، مگر دولت لینے سے گریز نہ کیا۔اگر موصوف اس جملے سے سیخ پا ہوں تو انہیں تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ شرائط من گھڑت اور صحابہ کرام واہلبیت کی توہین پہ مبنی ہیں۔

اعتراض: بیس سال مولا حسن نے گھر میں نماز پڑھی، اس لئے کہ منبر پہ ان کے والد کو گالیاں دی جاتی تھیں

جواب۔ تفصیل میں جائے بغیر اس مرقع جہالت کو ہمارا چیلنج ہے کہ صلح کے بعد اولاتو یہ ثابت کرے کہ امام حسن بیس سال زندہ رہے، یہ کسی رافضی کی گپ ہے جس پہ موصوف نے بغیر کسی تحقیق کے یقین کرلیا ہے۔کیونکہ صلح 41ھ میں ہوئی (البدایہ والنہایہ ج 8 ص 18، تاریخ خلیفہ خیاط ج 1 ص 187) جبکہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات

اکثر مورخین کے مطابق 29ھ میں ہوئی (فتح الباری ج 7 ص 120) اس لئے یہ کہنا کہ بیس سال نماز گھر پڑی کسی افسانے سے کم نہیں۔

اعتراض۔امام حسن اور حضرت سعد کو اس لئے شہید کیا گیا کہ وہ یزید کی بیعت نہیں کرتے تھے

جواب:۔یزید کی ولی عہدی کے وقت امام حسن وفات پا چکے تھے، اس لئے بیعت کرنے یا نہ کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔مگر اس اجہل الکائنات کا مقصد عامۃ الناس میں وساوس پیدا کرنا ہے، چاہے اس کے لئے جہالت کی عمیق گہرائیوں میں کیوں نہ غوطہ زن ہونا پڑے۔محمد حسین نجفی نے بھی یہی اعتراض اپنی کتاب خصائل معاویہ میں کیا اور جناب نے اس کی قے کو ہی چبانے کی زحمت گوارا کی ہے۔خیر نجفی صاحب نے اس جگہ الامامۃ والسیاست کا حوالہ دیا ہے، جو بذات خود رافضی موقف کی ترجمان ہے۔اسی طرح مقاتل الطالبین بھی روافض کی سیسہ کاری پہ مشتمل ہے۔تفصیل کے شائق حضرات حضرت علامہ مولانا محمد علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میزان الکتب کا مطالعہ فرمائیں۔یہاں اتنا عرض ہے کہ یزید کی ولی عہدی کے تحریک کا سلسلہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہے، کیونکہ ان روایات میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اس ولی عہدی سے اختلاف کرنا تو ملتا ہے مگر امام حسن کا تذکرہ وہاں موجود نہیں، اس لئے یہ اعتراض محض تعصب کا شاخسانہ ہے، کسی قسم کی ٹھوس دلیل سے محروم ہے۔

اعتراض:۔میں نے اپنے دوستوں کو بیس کتب کے حوالہ جات بھیجے، جن سے

واضح ہے کہ زہر کس نے دیا۔ پیر نصیر الدین صاحب نے لکھا ہے کہ منبر پہ جو بتایا جاتا ہے وہ اور ہے حقیقت کچھ اور ہے

جواب :۔اس اعتراض کا تفصیلی جواب اوراق سابقہ کی زینت ہے ۔یہاں اتنا عرض ہے کہ زہر وہ لوگ بھی دے سکتے ہیں جن کے چہرے صلح کے سبب بگڑ گئے تھے اور وہ لوگ حضرت حسن پہ حملہ آور ہوئے۔اس ممکنہ کڑی سے بھی انکار ممکن نہیں۔اب جہاں تک یہ معاملہ کہ آپ کو زہر کس نے دیا تو یہ حقیقت آج تک عیاں نہ ہوسکی، محض قیاس وگمان کی بدولت کسی مسلمان کی طرف اس کی نسبت ہرگز درست نہیں۔عمیر بن اسحاق کہتے ہیں:۔

دخلت أنا ورجل على الحسن بن علي نعوده. فجعل يقول لذلك الرجل: سلني قبل أن لا تسألني، قال: ما أريد أن أسألك شيئا ،يعافيك الله، قال: فقام فدخل الكنيف، ثمّ خرج إلينا، ثمّ قال: ما خرجت إليكم حتى لفظت طائفة من كبدي أقلبها بهذا العود، ولقد سقيت السمّ مرارا، ما شيء أشدّ من هذه المرّة، قال: فغدونا عليه من الغد، فإذا هو في السوق، قال: وجاء الحسين فجلس عند رأسه. فقال: يا أخي، من صاحبك؟ قال: تريد قتله؟ قال: نعم، قال: لئن كان الذي أظنّ، لله أشدّ نقمة، وإن كان بريئا فما أحبّ أن يقتل بريء.

ترجمہ: میں اور ایک آدمی سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما پر عیادت کے لیے داخل

ہوئے۔ آپ رضی اللہ عنہما اس آدمی سے کہنے لگے: مجھ سے سوال نہ کر سکنے سے پہلے سوال کر لیں۔ اس آدمی نے عرض کیا: میں آپ سے کوئی سوال نہیں کرنا چاہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت دے۔ آپ رضی اللہ عنہما کھڑے ہوئے اور بیت الخلاء گئے۔ پھر نکل کر ہمارے پاس آئے، پھر فرمایا: میں نے تمہارے پاس آنے سے پہلے اپنے جگر کا ایک ٹکڑا (پاخانے کے ذریعہ) پھینک دیا ہے۔ میں اس کو اس لکڑی کے ساتھ الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ میں نے کئی بار زہر پیا ہے، لیکن اس دفعہ سے سخت کبھی نہیں تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس اگلے دن آئے تو آپ رضی اللہ عنہما حالتِ نزع میں تھے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ آپ کے پاس آئے اور آپ کے سر مبارک کے پاس بیٹھ گئے اور کہا: اے بھائی! آپ کو زہر دینے والا کون ہے؟ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا آپ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! فرمایا: اگر وہ شخص وہی ہے جو میں سمجھتا ہوں تو اللہ تعالیٰ انتقام لینے میں زیادہ سخت ہے۔ اور اگر وہ بری ہے تو میں ایک بری آدمی کو قتل نہیں کرنا چاہتا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۵ / ۹۳، ۹۴، کتاب المحتضرین لابن ابی الدنیا: ۱۳۲، المستدرک للحاکم: ۳ / ۱۷۶، الاستیعاب لابن عبدالبر: ۳ / ۱۱۵، تاریخ ابن عساکر: ۱۳ / ۲۸۲، وسندہٗ حسن)

خود امام حسن نے کسی کا نام نامزد نہیں کیا تو بعد کے حضرات کو کیسے علم ہو گیا؟ امام حسین جس حقیقت سے نہ واقف رہے بعد میں آنے والے کیسے اس پہ مطلع ہو گئے؟۔ مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

خود اس زمانہ میں امام حسین تک کو زہر دینے والے کا پتہ نہ لگ سکا اس لیے آپ کسی کو سزا نہ دے سکے۔۔۔۔۔اب کہیے آپ کو کونسا الہام ہو گیا اسی کا نام بدگمانی ہے جو سخت جرم ہے (حضرت معاویہ پہ ایک نظر ص 78-79)

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

وما ينقل من ان معاوية دس إليه السم مع زوجه جعدة بنت الاشعث فهو من أحاديث الشيعة وحاشا لمعاوية من ذلك۔

ترجمہ: اور یہ روایت کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان (امام حسن رضی اللہ عنہ) کی بیوی سے مل کر زہر دلایا شیعوں کی بنائی ہوئی ہے حاشا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ (ابن خلدون ج ۲ ص ۱۸۷)

علامہ حافظ ابن کثیر اس کے متعلق لکھتے ہیں:۔

وعندی أن هذا ليس بصحيح، وعدم صحته عن أبيه معاوية بطريق الأولى۔

ترجمہ: میرے نزدیک تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ یزید نے سیدنا امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دیا ہے۔ اور اس کے والد ماجد سیدنا امیر معاویہ کے متعلق یہ گمان کرنا بطریق اولیٰ غلط ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

''یہ بہت بڑا بہتان ہے اور مؤرخین کی ایسی خرافات ہیں جو معتمد علیہ نہیں ہیں'' (دفاع سیدنا امیر معاویہ ص ۱۹۳)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تاریخ میں فرماتے ہیں:

قلت: هذا شیء لا یصح فمن الذی اطلع علیه۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اور اس پر کون مطلع ہوسکا ہے۔ (تاریخ اسلام عہد معاویہ، ص40)

فقیہ ملت مولانا مفتی جلال الدین امجدی لکھتے ہیں:۔

حضرت امام حسن 49ھ میں شہید ہوئے اس کے بعد حضرت امام حسین بارہ سال ظاہری حیات میں رہ کر 61ھ شہید ہوئے مگر انہیں نہیں معلوم ہوسکا کہ حضرت امام حسن کو زہر کس نے دیا اس لئے ان سے ایسی کوئی روایت نہیں کہ میرے بھائی حسن کو فلاں نے زہر دیا تو دوسرے لوگوں کو بعد میں کیسے معلوم ہوگیا کہ ان کی بیوی جعدہ نے انکو زہر دیا بلکہ خود حضرت امام حسن کو بھی یقین کے ساتھ معلوم نہیں تھا کہ مجھے زہر کس نے دیا ہا سی لئے امام حسین کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ جس کے متعلق میرا گمان ہے خدا اس کے لئے کافی ہے (فتاویٰ فقیہ ملت ج 2 ص 383)

مولانا ابوالنور محمد بشیر احمد کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

یہ حضرت امام ہی کا حقہ ہے کہ سخت تکلیف کے باجود جس کی طرف گمان ہے اس قاتل کا نام نہیں بتاتے تاکہ گمان صحیح نہ ہونے کے باعث کو بیگناہ نہ مارا جائے ۔معلوم ہوا کہ حضرت امام حسن نے خود بھی اپنے قاتل کا نام نہیں بتایا اور حضرت امام حسین نے بھی ویسے ہی کسی کو قاتل قرار نہیں دے دیا پھر آج اگر کوئی خواہ مخواہ

اپنی ہی طرف سے قاتل کو متعین کرتا پھرے تو یہ اس کی زیادتی ہے یا نہیں؟ (سچی حکایات ج2 ص250)

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

بہر حال سی کو یہ نہیں معلوم نہیں ہوسکا کہ آپ کا قاتل کون ہے؟ بعض مورخین نے یہ لکھ دیا ہے کہ جعدہ بنت اشعث بن قیس آپ کی زوجہ نے یزید پلید کے حکم سے آپ کو زہر دیا اور یزید نے اس سے نکاح کا وعدہ کیا تھا۔ اسی لالچ میں اس نے امام حسن کو زہر دیا۔ لیکن اس روایت کی کوئی صحیح سند موجود نہیں ہے۔ اس لئے بغیر کسی صحیح سند کے کسی مسلمان پر امام کے قتل کا الزام لگانا بھلا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟۔ حضرات! اہل بیت کو قاتل کا علم تھا نہیں۔ حضرت امام حسن نے دریافت کر نے پر بھی قاتل کا نام نہیں بتایا اور حضرات حسنین کے صاحب زادوں نے اپنی آخری عمر تک نعدہ سے کوئی شرعی مواخذہ بھی نہیں فرمایا۔ تو پھر جعدہ کو قاتل ٹھہرانے والا کون ہے؟ اس لئے تعجب نہیں کہ یہ خارجیوں کا ایک بدترین تبرا ہو کہ وہ حضرت امام کی بیوی کو غیر کے ساتھ ساز باز کرنے کی تہمت لگا رہے ہیں (حقانی تقریریں ص168-169)

اب جب جعدہ کی جانب نسبت کسی صحیح سند سے موجود نہیں، تو حضرت معاویہ کی طرف یہ نسبت بطریق اولیٰ غلط غلط قرار پائے گی۔ علماء اہلسنت کے ان حوالہ جات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل سنت کا ہرگز یہ موقف نہیں کہ زہر حضرت معاویہ نے دیا تھا اور نہ ہی یہ ثابت ہے، ہاں یہ شیعہ حضرات کا موقف ضرور ہے، ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

امام حسن کو راستہ سے ہٹانے کے لئے امیر معاویہ نے جعدہ بنت اشعت کو سازش میں شریک کرلیا (امام حسن ص 22)

جہاں تک بات دس حوالہ جات کی ہے، تو ان کی قلعی بھی ہم کھولے دیتے ہیں۔ مصنف نام ونسب نے یہ حوالہ جات اپنی کتاب کے صفحہ 538 پہ دیئے ہیں، ہم ایک ایک حوالے پہ مختصر تبصرہ قارئین کی نذر کئے دیتے ہیں۔ سب سے اول تو یہ بات یاد رہے کہ ایسی تمام روایات ہرگز استنادی لحاظ سے قوی نہیں بلکہ ان کے کو بیان کرتے ہوئے ایسے الفاظ درج کئے گئے ہیں جو ان کی قطعیت کو مشکوک کئے دیتے ہیں، جیسا کہ لفظ ذکر درج ہے۔ اس لفظ کا استعمال عموماً طور پہ وہیں ہوتا ہے جہاں قائل معتمد نہ ہو اور روایت پائیہ اعتبار سے ساقط ہو۔

(1) البدائیہ والنہایہ

سب سے پہلا حوالہ تاریخ ابن کثیر کا درج کیا گیا، اس میں واقدی کے حوالہ سے موجود ہے:۔

اور میں نے بعض لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ حضرت معاویہ نے اپنے ایک خادم پہ احسان کرکے کہا کہ وہ آپ کو زہر پلا دے (البدایہ والنہایہ ج 8 ص 62)

لیجئے! اولاً تو حضرت معاویہ کو قاتل حسن ثابت کرنے کے لئے جس دلیل قطعی سے استشہاد فرما رہے ہیں اس کا مرکزی راوی واقدی ہے اور موصوف کی شخصیت سے واقفیت کے لئے میزان اعتدال ج 2 ص 634 ملاحظہ کریں، مگر اس سے بھی قطع نظر

واقدی نے کن لوگوں سے سنا ہے یہ بات قابل غور ہے، آخر وہ کون لوگ تھے؟ اس راز سے واقدی کا پردہ نہ اٹھانا اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ یہ روایت اپنی اندر دم خم نہیں رکھتی۔ پھر ہم علامہ ابن کثیر کا اپنا موقف یوں ہے:۔

میرے نزدیک تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ یزید نے سیدنا امام حسن کو زہر دے کر شہید کر دیا ہے۔ اور اس کے والد ماجد سیدنا امیر معاویہ کے متعلق یہ گمان کرنا بطریق اولی غلط ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳)

اس لئے یہ حوالہ ہمیں مضر اور معاندین کو مفید ہر گز نہیں۔

(2) تاریخ طبری

تاریخ طبری میں اس حوالہ سے کوئی تصریح موجود نہیں۔ ظفر اقبال صاحب لکھتے ہیں:۔

تاریخ ابن جریر الطبری میں سرسری تلاش سے ہمیں یہ حوالہ نہیں ملا (سیدنا معاویہ ،گمراہ کن غلط فہمیوں کا ازالہ ص 231)

مولوی نافع صاحب لکھتے ہیں:۔

مثلا تاریخ ابن جریر طبری اور تاریخ بغداد (خطیب) وغیرہ میں زہر خورانی کے واقعہ کا کوئی ذکر تک نہیں پایا گیا (سیرت امیر معاویہ ص 608)

دوئم کچھ کتب میں تاریخ طبری کے حوالہ سے زہر دینے کی نسبت حضرت معاویہ سے جوڑی گئی ہے الیکن وہاں بھی سند کی کوئی صراحت موجود ہے نہیں۔ دوئم فقط تاریخ میں

ا (عیون الأنباء في طبقات الأطباء، ج ۱، ص 174)

درج ہونا بغیر کسی صحیح سند کے کوئی حثیت نہیں رکھتا۔اس لئے کہ ان کتب میں اور بھی کئی غیر محتاط چیزیں درج ہیں، جس کے متعلق نشاندہی کتاب کے متفرق مقامات پہ موجود ہے۔

(3) تاریخ ابن عساکر

علامہ ابن عساکر نے تاریخ مدینہ دمشق میں اس واقعہ کو باسند نقل کیا ہے جس میں زہر دینے کی نسبت حضرت معاویہ کی طرف ہے۔اولاتو وہاں یہ مذکور ہے کہ بعض لوگوں کو کہتے ہوئے سنا گیا،اب یہ لوگ کون ہیں ان کی صراحت نہیں، اس لئے یہ روایت ہرگز حجت نہیں ہوسکتی۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

لیکن محققین اہل سنت نے تاریخوں مصنفہ مجہولوں میں جیسے کہ اس کی مجہول بات ہے اور بعض روایات جن کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں، احتراز کو واجب جانا ہے (تحفہ اثناء عشریہ ص106)

پھر اس میں واقدی موجود ہے اور حضرت واقدی کو محدثین نے کذاب، متروک اور ضعیف قرار دیا ہے [1]

(4) سرالشہادتین

اس میں شاہ صاحب نے کہیں بھی اس کی نسبت حضرت معاویہ کی جانب نہیں کی۔ بلکہ آپ فرماتے ہیں:۔

---

[1] میزان الاعتدال ج3 ص362-363، تاریخ بغداد ج4 ص11)

اور قاتل بھی حضرت امام حسن کا مشتبہ رہا (سر الشہادتین ص 16)

(5) مروج الذہب

اولاً تو مسعودی صاحب کا تعلق مذہب شیعہ سے ہے، تفصیل کے لئے میزان الکتب کا مطالعہ فرمائیں۔ دوئم مسعودی صاحب نے بھی اسے ذکر کے صیغے سے نقل کیا ہے اور کوئی سند نقل کرنے سے قاصر رہا، اس لئے ایسی روایت حجت نہیں۔ پھر اس تاریخ میں ایسا مواد درج ہے کہ جو خلفاء اربعہ کی ذوات عالیہ کو مجروح کرتا ہے، جس پہ تفصیل پھر کسی مقام پہ عرض کریں گے، سردست ہم صرف چند مقامات کی جانب اشارہ کئے دیتے ہیں۔ اس تاریخ میں درج ہے کہ حضرت ابو بکر نے حضرت فاطمہ کے گھر کا دروازہ توڑا اور بعد ازاں اس پہ نادم ہوئے (مروج الذہب حصہ دوئم ص 236)، ایسے ہی میراث و مسئلہ خلافت پہ بھی اظہار افسوس کیا۔ ایسے ہی درج ہیکہ حضرت عثمان کے خلاف جو شورش ہوئی اس کا سبب آپ کا غیر منصفانہ سلوک اور اقربا نوازی تھی (مروج الذہب حصہ دوئم ص 276) ایسے ہی درج ہیکہ حضرت عثمان نے بیت المال سے کچھ مال اپنے لئے استعمال کرنے کا متعلق دریافت کیا تو ابوزر ناراض ہوئے، جس پہ انہیں شام بھیج دیا گیا (مروج الذہب حصہ دوئم ص 277) ایسے ہی مقداد کے حوالہ سے درج ہیکہ وہ حضرت عثمان کی بیعت کے وقت کہتے ہیں کہ تم لوگوں نے اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت تکلیف پہنچائی ہے (مروج الذہب حصہ دوئم ص 281) جواب کے موقع پہ حضرت زبیر و حضرت طلحہ دونوں حضرات نے جھوٹی قسم اٹھائی اور یہی سے

جھوٹی گواہی کی ابتداء ہوئی (مروج الذہب حصہ دوئم ص 295) یہ تمام حوالہ جات ہم نے سرسری مطالعہ کی بدولت درج کئے ہیں، انصاف پسند قارئین کے سامنے مسعودی کا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ہاں موصوف اگر پیر نصیر کے نزدیک حجت ہوں تو الگ مسئلہ ہے مگر اہل سنت کے نزدیک ایسے شخص کی بات کی کوئی اہمیت نہیں۔دوئم کتب تاریخ میں فقط کسی بات کا لکھا ہونا ہرگز معتبر نہیں جب تک اس بیان کی کوئی صحیح سند نہ ثابت ہوجائے۔

(6) شواہد النبوۃ

کتاب مذکور شیعہ موقف کی ترجمان ہے ،اس میں بہت سی باتیں مذہب تشیع کی نشاندہی کرتی ہیں۔

(7) تحف العقول

پیر نصیر صاحب نے اس کتاب کا حوالہ دے تو دیا ہے لیکن شاید انہیں مصنف کے متعلق زیادہ معلومات نہ تھیں ،کیونکہ اس کا مصنف خالصتا شیعہ ہے۔کتاب ہذا کے شروع میں مصنف کے تعارف میں موجود ہے:

اور کتاب اعیان الشیعہ ،تاسیس شیعہ، الذریعہ اور الکنی والالقاب مولفہ محدث قمی میں بھی جناب حرانی کے لئے اسی طرح کے تعریفی و مدحیہ کلمات کا ذکر ملتا ہے (تحف العقول ج1 ص14)

ایسے ہی موصوف کے متعلق درج ہے کہ ان کی کتب سے اقتباسات بطور حوالہ جناب

شیخ مفید بھی نقل کرتے ہیں، اس لئے شیعہ کے نزدیک معتبر شخصیت کو اہل سنت پہ بطور الزام پیش کرنا ہرگز درست نہیں۔

(8) روضۃ الشہدا

یہ کتاب بھی شیعت زدہ اور تشیع موقف کی ترجمان ہے، غلام حسین نجفی کا اسے اہل سنت کی معتبر کتاب قرار دینا ہرگز درست نہیں۔ دوئم اس میں کہیں بھی زہر دینے کی نسبت حضرت معاویہ کی طرف نہیں بلکہ مروان کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے (روضۃ الشہدا ء ج1 ص558، مترجم)

(9) تاریخ حبیب السیر

یہ کتاب بھی جناب نجفی کے ہم نوالہ ہم خیال شخصیت کے رشحات قلم کی مرہون منت ہے، اسے اہل سنت کی معتبر کتاب قرار دینا حسب سابق نجفی صاحب کی غلط بیانی ہے۔ ثانیاً اس کتاب میں اس حوالہ سے درج ہے:

متون کتب تاریخ و اخبار چنان اخبار مینمایند کہ چوں معاویہ۔۔۔۔ (تاریخ حبیب السیر ج2 ص30، تاریخ حبیب السیر، فارسی ص667)

اس میں بھی مصنف نے کوئی سند نقل نہیں کہیں، محض تاریخی کتب میں درج ہونے سے استشہاد کیا، جس کی حقیقت ہم بتلا چکے کہ بغیر سند کے کوئی تاریخی بات قابل قبول نہیں جب کہ وہ نصوص قرآنیہ کے بلمقابل صحابہ کرام کو مجروح کرتی ہوں۔

(10) تاریخ اعثم کوفی

کتاب ہذا کا حال بھی سابقہ کتب سے کچھ مختلف نہیں، اس میں بھی بغیر کسی سند کے یہ بات موجود ہے، اور اس شیعہ مصنف نے لکھا:۔

ثقہ اور معتبر راویوں سے سنا گیا ہے کہ جس وقت معاویہ نے مصمم ارادہ کرلیا کہ اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرے تو اس نے خیال کیا کہ امام حسن کی زندگی میں یہ بات وقوع میں نہ آسکے گی (تاریخ اعثم کوفی ص428)

اب اگر یہ مصنف ان ثقہ و معتبر راویوں کے نام بھی درج کر دیتے تو اس روایت کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی لیکن کیونکہ یہ روایت رافضی ملمع کاری کا شہکار ہے اس لئے اس کی سند کا ملنا بھی دشوار ہے اور روایت کی سندیوں غائب ہے جیسے ان کا بارھواں امام کسی غار میں جا کر غائب ہو چکا ہے۔

ثانیا اسی کتاب میں حضرت صحابہ کرام کا عجب و غریب نقشہ کھینچا گیا ہے، حضرت علی بیعت ابوبکر کے مطالبہ پہ فرماتے ہیں:۔

حضرت علی نے فرمایا کہ تم نے اس منصب کو ہمارے ہاتھ سے بہانہ کر کے چھینا ہے (تاریخ اعثم کوفی ص8)

ایسے ہی اس مقام پہ جو گفتگو نقل ہوئی ہے اس سے یہ تاثر جاتا ہے کہ حکومت محض خاندان نبوت کے لئے محدود ہے، جیسا کہ نقل کیا گیا:۔

رب العزت نے جو بزرگی خاندان نبوت کو عطا فرمائی ہے سے اپنے کنبوں کی طرف منتقل نہ کروں (تاریخ اعثم کوفی ص9)

اب حضرت علی کے متعلق یہ نقشہ کھینچنا کہ وہ خلافت کے حریص تھے اور جب سب صحابہ حضرت صدیق اکبر کی بیعت کر چکے تھے وہاں حضرت علی نے خلافت کا دعویٰ کر کے امت میں فساد ڈالنے کی کوشش کی، چنانچہ حضرت ابوعبیدہ کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:۔

اے ابوالحسین م ہی اس کام کے لائق ہو بلکہ سب سے پہلے اسلام لانے اور قرابت میں۔سب پر فضیلت رکھنے کے سبب اس سے بھی زیادہ منصب سزاوار ہو۔لیکن اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے اتفاق کرلیا ہے ورایک کام پورا ہو چکا ہے۔ے م بھی اصحاب کی خوشی کے لئے رضامند ہو جاؤ ور جھگڑا کر کے اس مصلحت کو درہم برہم نہ کرو (تاریخ اعثم کوفی ص 9)

اس تقیہ باز مصنف نے جو حضرت علی کا نقشہ کھینچا ہے یہ یقینا کسی رافضی کی کارستانی ہے، ہم اہلسنت کسی دوسرے صحابی کے لئے ایسے خیالات کا تصور نہیں سکتے چہ جائیکہ حضرت علی کے متعلق ایسا گمان کیا جائے۔ہاں نجفی صاحب کو اس سے اتفاق ہے تو واضح اعلان کر دیں کہ ان کے نزدیک حضرت علی خلافت کے حریص تھے اور خوامخواہ امت میں خلافت صدیق پہ اتفاق کے باوجود فتنہ ڈالتے رہے، یقینا موصوف ایسی روایات کو قبول کرنے سے گریز کریں گے، یہی معاملہ اس کتاب کی دیگر روایات کے متعلق ہے۔بہر حال اس موضوع پہ موجود دیگر حوالہ جات کا بھی یہی حال ہے کہ وہاں اولا تو سند موجود نہیں، ثانیا قول کا قائل مجہول ہے، ثالثا واقدی کا ذکر ہے لیکن وہ مجہول الحال لوگوں سے سن رہا ہے،، اس لئے یہ رروایت ہرگز حجت نہیں۔محض تاریخی

کتب میں درج ہونا کسی بات کے درست ہونے کے دلیل نہیں جب تک اس سند صحیح ثابت نہ ہو۔

ہم نقل کر چکے کہ موصوف حضرت معاویہ کو حضرت حسن کا نعوذ باللہ قاتل کہتے ہیں، اپنی دوسری تقریر میں اس بہانے سے حضرت معاویہ پہ لعن طعن کرواتے ہیں (Imam Imam Hassan Conference - Hassan k Qatil kon (by Syed Tayyab Shah Gillani

اعتراض:۔موصوف کہتے ہیں کہ جنگ کا آغاز حضرت معاویہ نے کیا مولیٰ علی نے دفاعی جنگ لڑی

جواب:۔یہ بھی تاریخی طور پہ عامۃ الناس کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔اگر موصوف نے تاریخ طبری ہی دیکھی ہوتی تو جناب پہ واضح ہوجاتا کہ جنگ کا آغاز حضرت علی نے کیا ہے، اس لئے کہ جب حضرت علی نے حضرت معاویہ کو مطیع ہونے کا حکم دیا تو انہوں نے قصاص کا مطالبہ کیا، اس پہ حضرت علی نے ان کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔یہ سب باتیں کتب تواریخ میں مرقوم ہیں۔ہم جنگ صفین کے پس منظر پہ کچھ معروضات جلد دوئم میں عرض کریں گے۔سر دست عرض ہے کہ جب حضرت عثمان کو باغیوں نے شہید کیا تو انہیں باغیوں نے حضرت علی کے لئے زبردستی بیعت لی۔جس کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے[1]۔اس سبب سے

[1] مصنف ابن ابی شیبہ حدیث نمبر 38928،38930،38931)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کا معاملہ اشتباہ کا شکار ہو گیا اور صحابہ کرام کی طرف سے پہلے قصاص لینے کی بات کی گئی ہے، پھر بیعت کرنے کا عندیہ دیا گیا۔لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان حضرات پہ لشکر کشی کی تا کہ یہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں اور جب یہ بیعت کر لیں گے تب قاتلان عثمان سے بدلہ لینا آسان ہو گا، مگر دیگر صحابہ قاتلان عثمان کے لشکر علی رضی اللہ عنہ میں شامل ہونے کے سبب اشتباہ کا شکار تھے، حضرت سہیل بن حنیف فرماتے ہیں:۔

لوگو! اپنی رائے کو یقینی نہ سمجھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہمیشہ معاملات کی حقیقت کو سمجھنا ہمارے لئے آسان رہا لیکن اس معاملہ میں ہم کوئی قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔(مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 39026)

بہر حال ہماری گزارشات سے واضح ہوا کہ وہ معاملہ شک میں پڑ گیا، یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی بذات خود قسمیں اٹھا کر قتل عثمان سے برات کا اظہار کرنا پڑا۔ان سنگین حالات کی بناء پہ صحابہ نے بیعت سے گریز کیا، جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے جنگ کرنی پڑی۔ان تمام حقائق کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دفاعی جنگ لڑی، طفل تسلی اور حقیقت کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ہم نے یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ پس منظر بیان کیا ہے، تفصیل دوسری جلد یا پھر خدا عزوجل نے چاہا تو الگ سے ہدیۂ قارئین کی جائے گی۔

ہم انہیں باتوں پہ اکتفاء کرتے ہیں، یہ باتیں موصوف کے چہرے سے رافضیت کا

نقاب اتارنے کے لئے کافی ہیں۔ہم یہاں پہ پیر جماعت علی شاہ صاحب کا عمل گستاخ صحابہ کے لئے پیش کئے دیتے ہیں، ان کی سوانح میں ہے:۔

میر پور ہی کا واقعہ ہے۔آپ وہاں تشریف لائے ہوئے تھے۔کہ ایک ملنگ نے مسجد میں آکر صحابہ کرام کے خلاف نعرے لگانے شروع کر دیئے۔آپ نے اس کو منع کیا۔مگر وہ باز نہ آیا۔آپ نے اپنے دست مبارک سے اسے پیٹنا شروع کر دیا(سیرت امیر ملت ص228)

9-صائم چشتی

موصوف فیصل آباد کے رہائشی اور ایک نعت خواں تھے، باقاعدہ عالم بھی نہ تھے، بس اعزازی سند تھی۔ جناب نے خوب رفض کی دلالی کی اور رافضیوں کو خوش کرنے کے لئے قلم کو چند ٹکے کے عوض بیچنے کا بھی شرف حاصل کیا۔ جناب کی اولاد آج بھی چشتی کتب خانہ سے رافضیانہ نظریات کو پھیلانے میں مشغول ہے، اہل سنت کو ایسے رافضیوں کے آلہ کار حضرات سے پرہیز کرنا چاہئے۔

مرید ومداح ہزاروی

اس کے علاوہ آپ نے حضرت باباجی محمود شاہ رحمۃ اللہ علیہ پیر سید علی حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ علی پور شریف اور سیال شریف سے بھی اکتساب فیض کیا (مشکل کشا ص5، شہید ابن شہید ص5)

یعنی موصوف محمود شاہ ہزاروی کے مرید تھے، اور انہی کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے رافضیت کے فروغ کے لئے کوشاں رہے۔ موصوف اپنی کتاب مشکل کشا میں لکھتے ہیں:۔

سیدنا صدیق اکبر کو تمام خلفائے راشدین سے پہلے جو خلافت عطاء ہوئی وہ سلطنت اسلامیہ کے نظم ونسق سنبھالنے اور شرعی حدود کے تحفظ و نفاذ سے عبارت ہے ۔۔۔۔جبکہ اس کے بالعکس جو خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو عطا فرمائی گئی وہ سلطنت روحانیہ کا نظم ونسق چلانے اور حدود طریقت کے نفاذ وتحفظ سے

عبارت ہے(مشکل کشاص205)

نیز:۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ صرف یہ کہ روحانی خلیفہ ہیں بلکہ خلیفہ وجانشین اول ہیں (مشکل کشاص 207)

یہ وہ نظریہ وعقیدہ ہے جوان کے تفضیلی ہونے پہ مہر ثبت کرتا ہے۔امام اہلسنت لکھتے ہیں:۔

اس حسین عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ سابقین کی پیروی کی اور اس میں اس زمانے کے تفضیلیوں کا رد ہے جو جھوٹ اور بہتان کے بل پرسنی ہونے کے مدعی ہیں اس لئے کہ انہوں نے فضیلت میں ترتیب کے مسئلے کو (ظاہر سے) اس طرف پھیرا کہ خلافت میں اولیت (خلافت میں زیادہ حقدار ہونے کا) کا معنی دنیوی خلافت کا زیادہ حقدار ہونا،اور یہ اس کے لئے ہے جوشہروں کے انتظام اور لشکر سازی،اور اس کے علاوہ دوسرے امور جن کے انتظام وانصرام کی سلطنت میں حاجت ہوتی ہے ان کا زیادہ جاننے والا ہو۔اور یہ باطل خبیث قول ہے ۔صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کے خلاف ہے (المعتمد المستند ص 286)

نکاح ام کلثوم کا انکار اور گستاخی کا فتویٰ

ایسے ہی نکاح ام کلثوم کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت عمر فاروق سے سیدہ ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے نکاح کے بارے میں

دو فرقوں کے درمیان زبردست نزاع موجود ہے ،طرفین نے مختلف روایات کی صورت میں دلائل کے انبار لگا رکھے ہیں حقیقت حال کا علم تو حق تعالیٰ جل جاشانہ کو ہے مگر جس انداز سے یہ روایت بیان کی گئی ہے ہولناک حد تک نا قابل یقین ہے، روایت کا یہ پس منظر اور پیش منظر جو اوپر بیان کیا گیا ہے سیدنا حیدر کرار کے علاوہ سیدنا فاروق کی بھی کھلم کھلا توہین کے مترادف ہے (شرف سادات ص 105)

ہم بتلا چکے کہ یہ مسئلہ تو بخاری شریف میں موجود ہے اور بڑے بڑے اکابرین اہلسنت نے اس کو رقم کیا ہے ، یقینا یہ گستاخی کا فتویٰ ان سب کو گستاخ کہنے اور رافضیت کو خوش کرنے کے مترادف ہے۔

منکر ایمان ابی طالب کا اپنا ایمان مشکوک

موصوف کی کتاب میں ایک صاحب کی تقریظ ہے، وہ رقم طراز ہیں :۔

آئے دن مختلف نوعیت کے بے بنیاد اعتراضات پھینکتے رہتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے کلمہ نہیں پڑھا۔۔۔۔۔۔مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کا اپنا ایمان ہی مشکوک ہے (ایمان ابی طالب ص 50)

ایسے ہی موصوف اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کرنے والے علامہ صوفی اللہ دتہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اللہ ان کے درجات میں مزید بلندی کرے) کے متعلق لکھتے ہیں :۔

قیامت کے دن وہ پھر محشور ہوگا اور دائمی جہنم کی لپیٹ میں جاتے وقت پکارے

گا(ایمان ابی طالب ص706)

نیز لکھا:- منقولہ بالاعبارت کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق محدثین کرام کے چند ریمارکس پیش کرنے کے بعد خس جہنم رقم طراز ہے(ایمان ابی طالب ص708)

اگراس موقف کوتسلیم کرلیا جائے تو اکابرین امت کی اکثریت نعوذ باللہ ایمان سے محروم ہوجاتی ہے، مفسرین محدثین صوفیاء غرضیکہ تمام طبقات اس فتویٰ کی زد میں آتے ہیں (تفسیر جلالین جلد 1 صفحہ 205،تفسیر قرطبی مترجم جلد 4 صفحہ 757،تفسیر ابن کثیر مترجم جلد 2 صفحہ 668،تفسیر ابی سعود جلد 2 صفحہ 611،تفسیر خازن جلد 3 صفحہ 195،تفسیر بیضاوی جلد 2 صفحہ 456،تفسیر بحر المحیط جلد ۷ صفحہ 126،تفسیر سراج المنیر جلد 1 صفحہ 657،تفسیر مدارک جلد 2 صفحہ 978،تفسیر کشاف جلد 1 صفحہ 806،تفسیر مظہری مترجم جلد 5 صفحہ 276،تفسیر الحسنات جلد 3 صفحہ 27،تفسیر تبیان القرآن جلد 5 صفحہ 271،تفسیر مظہر القرآن جلد 1 صفحہ 586،تفسیر نو العرفان صفحہ 326،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد 17 صفحہ 18،شرح بخاری ابن بطال جلد 9 صفحہ 356،مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد 7 صفحہ 407،فقہ اکبر ص96،ہدایہ ج1 صفحہ 173-174،شرح فتح القدیر جلد 2 صفحہ 138البحر الرائق شرح کنز الدقائق جلد 2 صفحہ 337،کفایہ شرح ہدایہ جلد 1 صفحہ 455،الاصابہ ج7 صفحہ 241،عقائد توریشتی صفحہ 304،305،سیرت حلبیہ ج2 ص433،شفاء شریف جلد 2 صفحہ 61،مواہب الدنیہ ج1 ص178-179،شرح الزرقانی ج4 ص488،تواریخ حبیب الہ صفحہ نمبر 26،سیرت رسول عربی صفحہ نمبر 63،خزینہ معارف صفحہ 581،غنیۃ الطالبین ص415،کشف المحجوب صفحہ نمبر 448،فوائد الفواد صفحہ نمبر 314،سرور المحزون صفحہ نمبر 20-21)

خروج معاویہ پہ اعتراض

موصوف لکھتے ہیں:۔

یقینا آپ کی بیعت کرنے والے لوگوں میں ابتداء ان لوگوں نے کی تھی جن کے مشورے سے جناب عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ظہور میں آئی تھی اور دیگر بیعت کرنے والے تمام صحابہ کرام بھی امیر معاویہ سے افضل و اعلی تھے، حضرت عثمان غنی کی خلافت بحکم خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ صرف چھ آدمیوں کے مشورے سے قائم ہوگئی تھی۔ جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بیعت کرنے والے سینکڑوں مقتدر صحابہ کرام تھے پھر آپ کی بیعت کو امیر معاویہ نے کیوں قبول نہ کیا اور آپ کے خلاف کیوں خروج کیا (شہید ابن شہید ج 2 ص 186، شہید ابن شہید ص 591)

قارئین! حضرت معاویہ و دیگر صحابہ کرام کے خروج کا ایک خاص پس منظر ہے اگر اس ذہن نشین نہ رکھا جائے تو اس معاملہ کو سمجھنا انتہائی دشوار ہے۔ قارئین! اس سارے معاملہ کا آغاز شہادت حضرت عثمان سے ہوتا ہے اور جن لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا وہ حضرت علی کے لشکر میں شامل تھے، جس کی وجہ سے معاملات الجھ گئے ۔صحابہ کرام تین گروہوں میں بٹ گئے اور تینوں کا موقف اجتہاد پہ مبنی تھا، یہاں تفصیل عرض کرنے کی گنجائش نہیں جنگ صفین کے پس منظر پہ ہم نے دوسری جلد کے آغاز میں کلام رقم کر دیا، قارئین وہیں ملاحظہ کریں۔ رہ گئی یہ بات کہ حضرت علی کے لئے بیعت کیسے منعقد ہوئی اور کس نے آغاز کیا۔ تو یہ ایک انتہائی خطرناک موضوع ہے جس پہ کچھ اشارے ہم کر چکے ہیں، لیکن تفصیل لکھنے سے قاصر ہیں۔ اور اس سلسلہ

میں ہمارا موقف اکابرین امت کی پیروی میں یہی ہے کہ حضرت علی خلیفہ راشد تھے اوراس کے برخلاف روایات کی تاویل کی جائے گی۔

خطاء اجتہادی کا انکار

جناب لکھتے ہیں:۔

اس سے پہلے مدینہ منورہ میں خلافت کا قائم ہوجانا تمام عالم اسلام کیلئے کافی سمجھا جاتا تھا تو آپ کے عہد خلافت میں اس سنت صحابہ پر عمل کرنے سے کونسا امر مانع تھا۔ یہ چند سوالات کرنے کے بعد ہم بہی خوانان بنی امیہ سے پوچھتے ہیں کہ امیر معاویہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے خلاف خروج اگر محض خطائے اجتہادی تھا تو ان روایات کا کیا بنے گا جن میں ہے کہ جس شخص کی امارت وخلافت پر لوگ متفق ہوجائیں اور پھر دوسرا اس کے خلاف خروج کرے تو اس دوسرے کی گردن اڑادو، اور دوسری روایت کے مطابق وہ اس غلطی کی پاداش میں جہنم کا بھی سزاوار ہے (شہید ابن شہید 591-592)

موصوف نے اس جگہ واضح اجتہادی خطاء کا انکار کیا ہے، اور یہ کلام الزامی بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ موصوف کے نزدیک حضرت علی کی خلافت کا قائم ہونا یہ اتفاقی ہے، اس سے اختلاف ان کے نزدیک خطاء اجتہادی نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی اختلاف تھا کیونکہ معاملہ اشتباہ کا شکار ہوگیا تھا۔ اس سلسلہ میں جہاں حضرت معاویہ نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی وہیں پہ حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے بھی ایسا کرنے سے گریز کیا اور غیر جانبدار رہے۔ بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ

کی روایت یوں ہے:۔

اللہ کی قسم! میں آپ کی بیعت نہیں کرونگا تو وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے (مصنف ابن ابی شیبہ ج11 ص133)

اس روایت سے واضح ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر نے قسم کھا کر حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کی بات کی، جو اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ اس وقت یہ مسئلہ اشتباہ کا شکار تھا، ہر شخص نے اپنے اجتہاد پہ عمل کیا۔ہم یہاں صرف ایک حوالہ پیش کرتے ہیں، موصوف نے علامہ نبہانی کی کتاب کا ترجمہ کیا ہے، اس میں ہے:۔

صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہیں ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ صحت وصواب پر تھے اور ان کے مخالف غلطی پر تھے مگر سب ہدایت پر تھے کیونکہ انہوں نے طلب حق میں اجتہاد کیا تھا سوائے خارجیوں کے (شرف سادات ص327)

دھوکہ دینے کا الزام

موصوف حضرت معاویہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اس لئے کہ امیر معاویہ کے وقت بھی اسلام کی برگزیدہ اور سر برآوردہ شخصیتوں نے شدید اختلاف کیا تھا دوسرے لوگوں کی اکثریت کو یہ دھوکہ دے کر رضامند کیا تھا کہ ان برگزیدہ شخصیتوں نے بیعت یزید تسلیم کر لی ہے (شہید ابن شہید ج2 ص591)

قارئین! یہ روایت طبری وغیرہ میں موجود ہے، جس میں مکروفریب کے ذریعے حضرت معاویہ کے بیعت یزید کروانے کا ذکر ہے، لیکن اس کا راوی مجہول ہے۔امام طبری

لکھتے ہیں:۔

رجل بنخلة (تاریخ الطبری ج4 ص225)

ترجمہ:۔مقام نخلہ کا ایک شخص

یعنی یہ شخص کون ہے اس کے بارے میں کسی کو کوئی معلومات نہیں اور ہم عرض کر چکے کہ ایسے مجہول رواۃ کی روایات سے حضرت معاویہ کو ہرگز مجروح نہیں کیا جاسکتا۔

دھمکی دینے کا الزام

جناب رقم طراز ہیں:۔

بخاری کی یہ روایت قطعی طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امیر معاویہ نے ان لوگوں کو دھمکی وغیرہ دے کر ان لوگوں سے علیحدہ رکھا اور اپنا اعلان کر لینے کے بعد اسی حال میں سب کو چھوڑ کر واپس آگئے (شہید ابن شہید ج2 ص209، شہید ابن شہید ص609)

بخاری کی روایت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں، بلکہ ابن اثیر کی بے سند روایت کو مظبوط کرنے کے لئے موصوف یہ استدلال فرما رہے ہیں۔اس کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ اگر یہ بیعت دھمکی کی وجہ سے ہوتی تو حضرت عبداللہ ابن عمر بھی دیگر صحابہ کی طرح یزید کی بیعت کو توڑ دیتے، جب کہ اس کے برعکس وہ نہ صرف بیعت یزید پہ باقی رہے بلکہ دوسروں کو بھی حکم دیا اور بیعت توڑنے والے کی مذمت کی ا۔اس لئے یہ بے سند روایات حجت نہیں۔دوئم جنہوں نے یزید کی خلافت سے اختلاف کیا تھا وہ

ا صحیح البخاری، رقم حدیث 8111)

طریقہ کار سے تھا، جو خالصتا اجتہادی قسم کا تھا۔ سوئم قیصر و کسریٰ کا استدلال اس وقت درست ہوتا جب اہلیت نہ دیکھی جاتی، کیونکہ ان کی بادشاہت میں بیٹا بغیر اہلیت کو جانچے جانشین ہوتا ہے، جب کہ حضرت معاویہ نے یزید کو اہل سمجھ کر خلیفہ بنایا تھا ،آپ نے یزید کی نامزدگی کے وقت مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا تھا:۔

اے اللہ! تو سب کچھ جانتا ہے، اگر میں نے اس کو اس بنا پر ولی عہد بنایا ہے کہ یہ فی الواقع اس کا اہل ہے تو تو اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دے اور اگر میرے اقدام میں بیٹے کی محبت کا جذبہ کارفرما ہے تو تو اپنی مدد کا ہاتھ اس کام سے کھینچ لے، اس کو پورا نہ ہونے دے (البدایۃ والنہایہ ج8 ص80)

اس روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت معاویہ نے کسی مفاد کے تحت نہیں بلکہ یزید کو اہل سمجھ کر فیصلہ کیا تھا۔ چہارم اس وقت کے حالات کا تقاضہ بھی یہی تھا۔ اس روایت کو تسلیم کرنے کے باجود مولانا محمد شفیع اوکاڑوی لکھتے ہیں:۔

حضرت امیر معاویہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور اسی خیر خواہی کی بنا پر وہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں قتل وغارت اور خون ریزی ہو وہ سابقہ حالات کے پیش نظر اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اگر میں نے خلافت و امارت کو یونہی مسلمانوں کی صواب دید پر چھوڑ دیا یا کسی مجلس شوریٰ کو انتخاب خلیفہ کے لیے مقرر کر دیا تو لوگ کسی طرح بھی ایک شخص پر جمع اور راضی نہیں ہوں گے بلکہ مختلف علاقوں میں خلافت کے مدعی ضرور اٹھ کھڑے ہوں گے اور اس سے آپس میں سخت اختلاف پیدا ہو جائے گا اور ضرور خونریزی ہو گی اور اگر میں نے خلافت بنی ہاشم کی طرف منتقل کر دی تو میری

قوم بنی امیہ جو اپنی قومیت میں عصبیت رکھتی ہے اور اس وقت ان کو بڑی قوت و شوکت بھی حاصل ہے، وہ کبھی تسلیم نہیں کرے گی اور اس سے بھی آپس میں سخت اختلاف اور خونریزی ہوگی اس لیے انہوں نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کو ان لوگوں پر ترجیح دی جو اس کے زیادہ مستحق سمجھے جاتے تھے (امام پاک اور یزید پلید ص39)

بے شک شفیع اوکاڑوی صاحب سے سخت خطاء ہوئی کہ انہوں نے ان روایات مکذوبہ پہ اعتماد کیا لیکن بہر حال انہوں نے اس کی عمدہ توجیح پیش کر کے معاملہ کو صاف بھی کر دیا۔ خامسا اس مقام پہ جو بخاری کی روایت پیش کی جاتی ہے، وہ واقعہ ہرگز یزید کی ولی عہدی کے وقت کا نہیں، حافظ ابن حجر نے دوٹوک اس کی تردید کی ہے (فتح الباری ج 7 ص403)

روایات مکذوبہ کی وکالت

جناب حضرت معاویہ کی ذات پہ طعن کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے، اس لئے چاہے انہیں روایات مکذوبہ کی وکالت ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ چنانچہ موصوف رقم طراز ہیں:۔

اور ان تینوں روایات کے درست ہونے میں بخاری کی روایت مانع نہیں بلکہ ان کی تصدیق وتائید کرتی ہے اور ان کے راوی جناب وہب بخاری کے معتبر راویوں سے ہیں۔ لہذا قاضی ابوبکر ابن العربی صاحب نے ان روائتوں کو باطل قرار دیتے وقت ہرگز یہ نہیں سوچا کہ ان میں کوئی ایسا جملہ نہیں جس سے بخاری کی روایت میں

تعارض پید ہوتا ہے (شہید ابن شہید ج 2 ص 209، شہید ابن شہید ص 609)

ان تینوں روایات کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت معاویہ نے زبردستی تلوار کے زور سے دھوکہ کے ساتھ یزید کی بیعت لی، ماقبل میں ہم اس پہ کچھ عرض کر چکے، اب ہم ان روایات پہ بحث کرتے ہیں۔ ہم یہاں مکمل روایات نقل کرنے کی بجائے ان کا قابل اعتراض حصہ نقل کرنے پہ ہی اکتفاء کریں گے۔ موصوف نقل کرتے ہیں:۔

پھر عبدالرحمٰن بن ابوبکر پہنچے (امیر معاویہ) نے تشہد پڑھ کر آغاز کلام کیا تو انہوں نے کلام کو قطع کرتے ہوئے فرمایا کہ! واللہ تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے بیٹے کے معاملے میں تمہیں اللہ کے سپرد کر دیں خدا کی قسم ایسا کام ہرگز نہیں کریں گے بخدا تم یہ مسلمانوں کے مشورہ پہ چھوڑ دو ورنہ یہ فتنہ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا اور پھر آپ یکدم کھڑے ہو گئے تو اس نے کہا تو جسے چاہے اس کی زبان بند کرے پھر کہا ٹھہر جاؤ اگر تم اہل شام کے سامنے جاؤ گے تو مجھے ڈر ہے کہ وہ تیرے پہنچے سے قبل تمہاری جان نہ لے لیں میں ان کو بتا دوں گا کہ تم نے بیعت کر لی ہے اس کے بعد جو تمہارے جی میں آئے کرتے رہنا۔ پھر امیر معاویہ نے ابن زبیر کو بلایا اور کہا کہ اے ابن زبیر بے شک تو ایک مکار لومڑی ہے جو ایک سوراخ سے نکل کر دوسرے سوراخ میں داخل ہو جاتی ہے اور ان دونوں آدمیوں کو تو نے ہی پھونک دی ہوئی ہے (شہید ابن شہید ص 595)

ایسے ہی ایک روایت یوں بیان کی گئی:۔

پھر اس (حضرت امیر معاویہ) نے اپنے محافظ کو بلا کر یہ حکم دیا کہ ان میں سے ہر

ایک آدمی کے سر پر اپنے دو دو آدمی مسلط کروادو اگر ان میں سے کسی شخص نے میری بات خواہ وہ جھوٹی ہو یا سچی قطع کرنے کی کوشش کی تو وہ دونوں اس کی گردن علیحدہ کردیں (شہید ابن شہید ص 601)

ان تینوں روایات میں سے پہلی روایت جس میں جبر و اکراہ سے بیعت کا ذکر ہے ،ابن اثیر میں بے سند موجود ہے۔دوسری روایت جس میں مکروفریب کا ذکر ہے وہ طبری میں مقام نخلہ میں ایک شخص کے حوالہ سے رقم ہے جو کہ مجہول ہے اور رشوت والی روایت بھی صرف ابن اثیر میں بے سند موجود ہے اور حجت نیست۔موصوف الکامل ابن اثیر کی چند رویات نقل کرنے کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں:۔

تاریخ ابن اثیر میں اس کے بعد وہ تمام روایات معمولی تغیر لفظی سے موجود ہیں جو آپ العواصم من القواصم سے بیعت یزید کے سلسلہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔اور تمام تر روایات و واقعات دیگر ثقہ اور مسلمہ کتب تواریخ و سیر میں بھی موجود ہیں۔علامہ ابن اثیر جزری سواد اعظم کے عظیم ترین مورخ محدث اور بطل جلیل ہیں۔اس لئے آپ کی کتاب سے ہی چند اقتباسات کا اختصار پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ہم نہیں سمجھتے کہ ان حالات میں یزید پلید کے لئے لی جانے والی بیعت میں شریعت مطہرہ کی کونسی شق موجود ہے۔کیا یہ شرعی خلافت ہے کہ کسی شخص کو نامزد کر کے مسلمانوں سے اس کے متعلق رائے پوچھی جائے اور بصورت انکار یا تو ان کو مسلمانوں کی امانت بیت المال سے بڑی بڑی رقوم عطا کر کے خرید لیا جائے اور یا بزور شمشیر ان کی صدائے احتجاج کی گردن کاٹ دی جائے۔قارئین خود یہ فیصلہ

فرمائیں کہ اگر یہ خلافت راشدہ ہے تو آمریت کس کا نام ہے (شہید ابن شہید ص672)

ہم بتا چکے کہ یہ روایات بے سرو پا ہیں، موصوف نے بار بار حضرت معاویہ پہ اس حوالے سے طعن کیا ہے اور خود کو جہنم کی عمیق گہرائیوں میں گرایا ہے اور صحابی پہ طعن کر کے رافضی ٹھہرے۔

10- مفتی غلام رسول جماعتی

''مفتی غلام رسول'' صاحب کی کتاب ''امام حسن اور خلافت راشدہ'' بھی رافضیانہ موقف کی ترجمان ہے، مفتی صاحب لکھتے ہیں:۔

''حضرت معاویہ نے اس شرط کو بھی پورا نہ کیا بلکہ اموی حکومت کے حاکموں اور گورنروں نے دل کھول کر حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو سب وشتم کیا'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۱۷۱)

اولا جن تاریخی کتب کی بناء پہ یہ مکروہ الزام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذمہ لگایا جاتا ہے ،انہیں تاریخی کتب میں یہ بھی مرقوم ہے کہ اس عمل شنیع کی ابتداء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی تھی۔آپ رضی اللہ عنہ صبح کی نماز میں دعائے قنوت یوں پڑھتے :۔

''اے اللہ معاویہ،عمرو بن العاص ،ابو الاعور السلمی ،حبیب ،عبد الرحمٰن بن خالد ،ضحاک بن قیس اور ولید ان سب پر لعنت فرما'' حضرت معاویہؓ کو جب یہ اطلاع پہنچی تو اسکے جواب میں انہوں نے قنوت میں حضرت علی ،ابن عباس ،حسن اور حسین پر لعنت کہنا شروع کردی (الطبری ج ۵ ص ۸۱، الکامل ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳۳)

روایت مذکور میں موجود لفظ ''سب'' اپنے اندر مختلف نوع مفاہیم کو سموئے ہوئے ہے ،اس کی ایک تعبیر معمولی سے اعتراض یا تغلیط سے بھی کی جاتی ہے۔جس پہ کلام عرب میں امثال بھی موجود ہیں۔صحیح مسلم میں امام مسلمؒ نے ایک روایت نقل کی ہے، جس میں غزوہ تبوک کے سفر کا تذکرہ موجود ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کو یہ

وصیت فرمائی تھی کہ تبوک کے چشمہ پہ پہنچے کے بعد میرے پہنچنے سے پہلے کوئی شخص اس پانی کومس نہ کرے، مگر اتفاق سے دو صاحبان قافلہ سے آگے نکل کر چشمہ پہ جلدی پہنچے اور پانی پی لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پہ مطلع کیا گیا تو:۔"فسبهما النبی ﷺ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۶) یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو احباب پہ سب کیا۔ اب کیا کوئی ہوش مند انسان اس جگہ سب کا معنی "دشنام یا گالی" سے تعبیر کرے گا؟ نہیں بلکہ یہاں غلطی پہ تنبیہ مراد لی جائے گی۔ ایسے ہی کیونکہ زیر بحث روایت میں موجود سب کی نوعیت مبہم ہے اور اس کا تذکرہ کتب تاریخ میں مفقود ہے، اسی لئے یہاں سب سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تغلیط ہے۔ اسی طرح تفسیر طبری میں موجود ہے کہ مشرکین نے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دھمکی دیتے ہوئے کہا:۔

آپ ہمارے معبودوں کو سب کرنا ختم کر دیں وگرنہ ہم آپ کے رب کی ہجو بیان کریں گے" (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۶۴)

اب کیا یہاں بھی معاندین حضرات سب کا ترجمہ "گالی" سے کریں گے یا اس جگہ بھی اس کا مطلب تغلیط ہی لیا جائے گا، ایسے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

پس میں جس مسلمان کو لعنت کروں تو اسے اس کے لیے پاکی و رحمت کا باعث بنا دے" (صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والادب)

ایسے ہی ابوداؤد میں ہے:۔

"ان رسول اللہ ﷺ خطب فقال ایما رجل من امتی سببته سبة اولعنة" (ابوداؤد کتاب السنہ)

یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب کرنے کا ذکر موجود ہے، اور اس کا مطلب بھی وہی تغلیط ہی ہے۔اس پہ اور بھی حوالہ جات موجود ہیں، سردست انہی پہ اکتفاء کرتے ہوئے بتلانا یہ مقصود ہے کہ ''لفظ ''سب'' کسی کے موقف کی تغلیط کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، لہٰذا زیر بحث روایت میں بھی اس کا یہی مطلب مراد ہے۔یہی رائے سلف صالحین سے بھی منقول ہے (شرح صحیح مسلم از امام نووی، دفاع سیدنا امیر معاویہ ص ۱۹۴،)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

''ان دونوں روایتوں میں کہ ایک مرتبہ حضرت معاویہ کے خادم نے زہر پلایا اور دوسری روایت میں ہے کہ یزید کے کہنے پر جعدہ نے زہر پلایا کوئی تضاد نہیں کیونکہ زہر آپ کو بالاتفاق متعدد مرتبہ پلایا گیا۔حضرت معاویہ کے خادم نے بھی پلایا اور جعدہ نے بھی پلایا'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۱۹۰)

اس قسم کی روایت کی استنادی حیثیت تو غیر مستند ہے ہی، مگر درایتا بھی اس کا نادرست ہونا ثابت ہوتا ہے۔حضرت معاویہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے حسن سلوک ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ''حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ'' کے حالات میں رقم طراز ہیں:۔

''ایک روز ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے فرزند رسول! میں ایک مفلس و نادار شخص ہوں، میں صاحب اہل و عیال ہوں مجھے اپنے پاس سے کچھ کھانے میں سے عنایت فرمایئے؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ میرا رزق ابھی راہ

میں ہے کچھ دیر بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے دیناروں کی پانچ تھیلیاں آئیں۔ ہر تھیلی میں ایک ہزار دینار تھے۔لانے والوں نے عرض کیا کہ حضرت امیر معایہ رضی اللہ عنہ معذرت خواہ ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ فی الحال ان کو اپنے خدام پر خرچ فرمائیں مزید پھر حاضر کئے جائیں گے" (کشف المحجوب ص ۱۲۶)

اس الزام کے متعلق امام ذہبیؒ بیان کرتے ہیں:۔

قلت: هذا شئی لا یصح فمن الذی اطلع علیه"

"میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے آخر اس کی اطلاع کیسے ہوئی؟" (تاریخ اسلام، عہد معاویہ، ج ۴ ص ۴۰، زیر تحت حسن ابن علی)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

"بعض لوگ روایت کرتے ہیں کہ یزید بن معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کی طرف پیغام بھیجا کہ اگر تو حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دے دے تو میں تجھ سے ان کے بعد شادی کرلوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، پھر جب ان کی وفات ہوگئی تو اس نے یزید کو اس کا وعدہ یاد دلایا تو اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہم تجھے حسن رضی اللہ عنہ کے لئے پسند نہیں کرتے تھے کیا اب ہم تجھے اپنے لئے پسند کرلیں؟ جبکہ میرے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے، اور اس کے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس کی عدم صحت بطریق اولیٰ اور زیادہ موزوں ہے" (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۴۳)

ابن خلدون رقم طراز ہیں:۔

"اور یہ جو نقل کیا جاتا ہے کہ معاویہؓ نے حضرت حسن کی بیوی جعدہ بنت اشعث

کے ذریعے انہیں زہر دینے کی سازش کی تو یہ روافض کی اختراع ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے" (تاریخ ابن خلدون ج ۳ ص ۵۲۵)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بہت بڑا بہتان ہے اور مئورخین کی ایسی خرافات ہیں جو معتمد علیہ نہیں ہیں" (دفاع سیدنا امیر معاویہ ص ۱۹۳)

پھر یہ بات ذہن نشین رہے کہ اہل سنت کی کتب تواریخ میں موجود روایات کا اصل ماخذ شیعی کتب ہی ہیں، اہل علم سے اس کو کچھ علاقہ نہیں۔ جیسا کہ ابی محمد زکریا رقم طراز ہیں:۔

"وللاسف فقد سمن بعض اهل التواريخ كتبهم بذكر الروايات الباطلة فى ذلك، اعتمادا على بعض محترقى الشيعة" (درء الغاویہ ص ٦٩)

دوسری بات اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی روایات کی سند میں واقدی موجود ہے ،جن پہ علماء دین نے سخت جرح کی ہے، امام مالک نے انہیں "دجال" کے لقب سے موسوم کیا ہے، امام احمد نے انہیں کذاب قرار دیا جبکہ امام ابن حجر نے ضعیف اور مدلس قرار دیا یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے لکھا:۔

واستقر الاجماع على وهن الواقدى' (میزان الاعتدال ج ص ۱۱۰)

مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"امام حسن مجتبیٰ نے ان شرائط مذکورہ بالا کے تحت حضرت معاویہ کے ساتھ مصالحت

کی مگر حضرت معاویہ نے شرائط کو پورا نہ کیا'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۱۶۳)

یہ بھی محض الزام ہے، اصل میں ''صلح امام حسن'' سے روافض کے اعتراضات کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور امیر معاویہؓ کی ذات اقدس کے متعلق تمام اعتراضات خود بخود ھباء منثور ہو جاتے ہیں، لیکن یہ اصحاب اپنے تائیں اس بات کے انکاری ہیں، شرائط کے حوالے سے کوئی مستند روایت کتب تاریخ میں موجود نہیں بلکہ وہاں ایسی شرائط بھی منقول ہیں جو خود امام حسن کے کردار کے خلاف ہیں، مثلاً خود جناب مفتی صاحب ایک شرط بیان کرتے ہیں:۔

''حضرت معاویہ کی حکومت امام حسن مجتبیٰ کے تمام قرضوں کی ادائیگی کرے گی'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۱۶۳)

اگر ذرا سا تعمق سے ہی کام لیا جائے تو شرط بالا کا فرضی ہونا واضح ہو جاتا ہے، امام حسنؓ کے کردار پہ جس طرح یہ شرط بدنما داغ کا اضافہ کر رہی ہے، کوئی بھی صاحب عقل سلیم اسے سند قبولیت نہ بخشے گا۔ اس قسم کی شرائط سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ صلح کرنے کا مقصد اپنے ذاتی مفادات کا حصول تھا، صلح کے در پردہ اصل مقصد دنیاوی دولت سے سیری حاصل کرنا تھی، جبکہ ایک صحابی رسول سے ایسی بات بعید ہے جبکہ وہ نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کا بھی شرف رکھتا ہو۔ پھر انہی شرائط میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ سب و شتم نہ کرنے کی شرط بھی درست معلوم نہیں ہوتی، چہ جائیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے حلیم و بردبار شخص سے اس کی عدولی کے متعلق گمان کیا جائے۔ کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے متعلق منبر پہ سب وشتم کرنے کا کوئی ثبوت موجود نہیں، اور حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ والی روایت کا تعلق بھی نجی محفل سے ہے، اور روایت مذکور میں محض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی تغلیط کا بیان ہے، اسے مادر زاد گالیوں پہ محمول کرنا درست نہیں کیونکہ جب تک فعل کی نوعیت واضح نہیں ہوجاتی تب تک اسے عرفی سب وشتم پہ محمول نہیں کیا جا سکتا۔ پھر یہ بات قابل غور ہے کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کی کسی سرگرمی میں ملوث ہوتے تو کم از کم ان کی جانب سے موصول ہونے والے عطیات حضرت حسن رضی اللہ عنہ واپس کر دیا کرتے، لیکن ان کا عطیات قبول کرنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس الزام کی نفی کو کفایت کرتا ہے۔ بتقدیر تسلیم خود امام حسن رضی اللہ عنہ کی ذات با برکات سوالیہ نشان بن کر رہ جاتی ہے، اس لئے ہمارے نزدیک اس قسم کی شرائط محض روافض کا کارستانی کے سوا کچھ نہیں۔ مفتی صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

''حضرت امام حسن علیہ السلام کی وفات پر تمام لوگوں نے غم کا اظہار کیا لیکن حضرت معاویہ نے خوشی منائی'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۱۹۳)

ہم نہیں جانتے کہ مفتی صاحب کی یہ گفتگو آخر اپنے پیچھے کونسے ماخذ رکھتی ہے، کیونکہ اس جگہ موصوف نے کسی قسم کا حوالہ دین دینے کی زحمت سے تو خود کو بچا گئے مگر اپنے پیش کردہ اس موقف کو کمزور کر گئے۔ چہ جائیکہ یہ مقام کسی قسم کے حوالہ سے یکسر مفقود ہے، مگر دیگر کچھ معاندین کی جانب سے اسی قسم کا اعتراض ابوداؤد کی ایک روایت کی بنیاد پہ کیا جاتا ہے، جبکہ روایت مذکور میں بقیۃ بن ولید راوی ہیں جن پہ منکر روایت بیان کرنے کا الزام ہے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۴۹۷) اس لئے ایسی مجروح

روایت کسی صحابی کے کردار کو مجروح کرنے صلاحیت نہیں رکھتی۔ مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

''حضرت امیر معاویہ کو ماموں کہنا صحیح نہ ہوا بلکہ ان کو ماموں کہنا بدعت ہے اور اس بدعت کا اختراع وارتکاب دیوبندیوں نے کیا ہے'' (امام حسن اور خلافت راشدہ ص ۲۴۷)

جناب کا یہ لکھنا درست نہیں، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مومنین کا ماموں کا اکابرین سے ثابت ہے۔قاضی ابویعلیٰؒ کے قلم سے دفاع امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے جو رشحات منظر پہ عام آئیں، آپ نے انہیں ''تنزیہ خال المومنین معاویۃ بن ابی سفیان من الظلم والفسق مطالبۃ بدم امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ'' کے مبارک نام سے موسوم کیا، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین قرار دیا، موصوف بلند پائیہ عالم دین تھے، ان کے احوال جاننے کے لئے احباب، تاریخ بغداد جلد دوئم اور طبقات الحنابلۃ جلد دوئم کی طرف مراجعت کریں اسکے علاوہ کشف الظنون اور سیر اعلام النبلاء میں بھی ان کا تذکرہ ہے ،علامہ ذہبی ان کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''الاما م العلامة ،شیخ الحنابلة ،القاضی ابو یعلی ..صاحب التعلیقة الکبریٰ،والتصانیف المفیدہ فی المذھب'' (سیر اعلام النبلاء ج ۱۸ ص ۸۹)

اس کے علاوہ دیگر اکابر سے بھی اس نسبت کا ثبوت ملتا ہے (تاریخ ابن عساکر ج ۵۹ ص ۵۵، مثنوی مولوی معنوی دفتر دوم ص ۶۳، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۶۸)

لہذا ان حقائق کے باوجود موصوف کا اسے دیوبندی حضرات کی بدعت کہنا درست نہیں، محض اظہار تعصب ہے۔

نکاح ام کلثوم کا انکار

موصوف رقم طراز ہیں:۔

توہم نے اس نکاح ام کلثوم کے بارے میں حسب ونسب کے پہلے حصوں میں ذکر کیا ہے کہ اس نکاح کے جتنے متعلقہ روایات ہیں وہ موضوع (من گھڑت) بالدرایت اور موضوع بالروایۃ ہیں اور وہ کسی طرح بھی صحیح نہیں (بارہ امام ص584،زاویہ پبلشرز)

قارئین! ہم واضح کر چکے کہ یہ عقیدہ روافض کا ہے، آج کل کے رافضی حضرات بوجہ مجبوری اس نکاح کا انکار کرتے ہیں اور یہ نیم رافضی ان حضرات کی تائید میں یہ خرافات رقم کرتے پائے جاتے ہیں۔

عقیدہ معصومیت کا اقرار

موصوف لکھتے ہیں:۔

ائمہ اہل بیت اطہار سے خطا کا سرزد ہونا ناممکن بات ہے (امام جعفر صادق ص 14)

نیز:۔

اور جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ ائمۃ اہل بیت اطہار سے اس علم کے تحفظ میں خطاء سرزد ہوسکتی ہے وہ آدمی نہایت احمق بیوقوف اور گھٹیا سوچ رکھنے والا ہے (امام

جعفر صادق ص 360)

ان عبارات میں غیر نبی کے لئے عصمت تسلیم کی گئی اور خطاء کو محال کہا گیا ہے۔ یہی عقیدہ شیعہ امامیہ کا ہے، وہ اپنے ائمہ کو معصوم مانتے ہیں اور یہ نیم رافضی بھی انہیں معصوم سمجھتے ہیں۔

11۔ حنیف قریشی

موصوف کی شخصیت رفض پھیلانے میں عصر حاضر میں ایک نمایاں کرادار ادا کر رہی ہے۔ موصوف ایک انتہائی منہ پھٹ قسم کی شخصیت ہیں اور صحابہ کرام کے متعلق اپنے غلیظ منہ سے غلاظت انڈیلنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ ذیل میں ان کی چند خرافات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ان کے متعلق الفاظ کا سخت استعمال جناب کی فرومایہ زبان کے پیش نظر کیا گیا ہے، جس سے امید ہے کہ موصوف عبرت حاصل فرمائیں گے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ یوں تو موصوف خود کو اہل سنت سے منسوب کرتے ہیں مگر روافض کی محافل کی رونق بننے کا شرف بھی جناب کو حاصل ہے، ایسے شخص کے متعلق امام اہلسنت لکھتے ہیں:۔

جو رافضیوں میں رافضی اور سنیوں میں سنی بنتا ہے تب تو ظاہر ہے کہ وہ رافضی بھی ہے اور منافق بھی (فتاویٰ رضویہ ج6 ص528)

سب و شتم کا اعتراض

بنوامیہ کے دور میں اہل بیت اطہار اور بالخصوص مولا علی پر سر عام گالم گلوچ اور لعنتیں ہوتی تھیں۔ سرکاری آڈر کے مطابق 66 ہزار ریاست کے منبر تھے ہر منبر کے خطیب کو یہ واجب قرار دیا گیا تھا کہ وہ باقی تقریر کرے اور تقریر کے آخر میں حضرت علی پہ لعنت کرے، سب و شتم کرے (Hazrat Ali Par Sab OShatam

(Kis Ny Keya

ہم اوراق سابقہ پہ واضح کر چکے کہ سب وشتم کے حوالہ سے اعتراض کرنے والے گراہ اور رافضی ہیں، اس پہ ہم خواجہ قمر الدین سیالوی علیہ الرحمہ کا حوالہ عرض کر چکے کہ یہ سب رافضیوں کے الزامات ہیں، ان کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ دوئم موصوف کی ویڈیو میں جو حوالہ جات دیئے گئے ہیں، ان کا جواب ہم ظہور فیضی کے تذکرہ میں رقم کر چکے ہیں۔

نام معاویہ پہ اعتراض

اور جاہلیت کے دور میں اگر کوئی نام رکھتا ہے تو چاہے وہ کتنے ہی بڑے بندے کا نام کیوں نہ ہو ایک معنی ہے حضرت ہے ایک نام ہے اس کا معنی بنتا ہے بھونکتا کتا ہے میں کہتا ہوں واہ واہ حضرت آپ اسم با مسمیٰ ہیں

اس جگہ موصوف نے اپنے اندر کی رافضیت کو واضح کرتے ہوئے صحابی رسول رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی پہ اس قدر فرومایہ اعتراض کیا ہے۔ اس کے جواب میں سب سے پہلے تو یہ عرض ہیکہ معاویہ علم ہے اور اعلام میں لفظی معنی مراد نہیں ہوتے۔ انما ہی اعلام للاشخاص لاتقصد بھا حقیقۃ الصفۃ (فتح الباری، جلد نمبر 10 صفحہ نمبر 475) مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی چھٹی پشت میں ''کلاب'' کا لفظی معنی مراد کی جسارت کوئی نہیں کرسکتا۔

اسی طرح فاطمہ کے معنی لغات میں ''ایسی اونٹنی جس کا بچہ دودھ سے چھڑایا گیا ہو''

(مصباح اللغات، صفحہ نمبر 139)

(1) العباس، بہت تُرش رُو (مصباح اللغات صفحہ نمبر 548)

(2) باقر، کا معنیٰ گایوں کا ریوڑ (مصباح اللغات، صفحہ نمبر 67)

(3) جعفر، کے معنی ندی، بہت دودھ والی اونٹنی (صفحہ نمبر 114 ایضاً)

(4) اویس، کے معنی بھیڑیا (مصباح اللغات صفحہ نمبر 44)

لیکن اعلام میں لغوی معنیٰ کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح ان ناموں میں کوئی قباحت نہیں اسی طرح اگر بالفرض ''معاویہ'' کے لغوی معنیٰ اچھے نہ بھی ہوں تب بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوگی۔

لفظ معاویہ ''عَوِیَ'' سے مشتق ہے از رُوئے لغت اس کے حسبِ ذیل معنی ہیں

(1) کسی چیز کو موڑنا یا مروڑنا (2) عالم شباب میں مدمقابل کا پنچہ مروڑنا، (3) کسی کا دفاع کرنا، (4) جنگ یا جماعت کے لیے لوگوں کو جمع کرنا، (5) آواز دے کر پکارنا، (6) چاند کی ایک منزل (7) نشانِ راہ مسافروں کی رہبری کے لیے نصب کردہ پتھر۔

(ا) منتھی الارب، جلد دوم صفحہ نمبر 215۔ (2) لسان العرب، جلد نمبر 8 صفحہ نمبر 109۔ (3) تاج العروس، جلد نمبر 15 صفحہ نمبر 260۔ (4) القاموس، صفحہ نمبر 896۔ (5) قاموس الوحید، جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1145۔

اور اس میں ''ۃ'' وحدت کی ہے تانیث نہیں، جس کا اعتبار کرتے ہوئے معنی یوں ہوگا

اکیلا موڑنے والا، دشمن کا تن تنہا مقابلہ کرنے والا، دلیر، بہادر، بلند آہنگ خطیب، تنہا رہبری کرنے والا۔

علامہ ابن منظور افریقی نے ایک معنی یہ بھی کیا ہے ''العوا'' ایسے ایک یا چند ''ستاروں'' کا نام ہے، جن کی طرف درندے (کُتے) آوازیں کستے ہیں۔ (لسان العرب جلد نمبر 8 صفحہ نمبر 109)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک ''اصحابی کالنجوم'' کی رُو سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تابناک ''ستارے'' ہیں۔ ''العوا'' ستارے کی طرح آسمانی رُشد وہدایت کے اس درخشندہ اور مرکزی ستارے پر بھی دشمن اسلام آوازیں کستے ہیں۔

نیز مذکورہ معانی مراد ہونے کی کئی وجوہات ہیں۔

(1) اہل لغت نے عملاً وضاحت کی ہے اگر لفظ ''معاویہ'' معروف بلام ہو تو اُس کا معنی سگ مادہ وغیرہ ہوں گے۔ جبکہ الف لام کے بغیر علم ہو تو یہ معنی مراد نہیں ہوں گے۔ (القاموس الوحید جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1145)

(2) یہ نام عہد جاہلیت سے عربوں میں رائج تھا، کُتب انساب میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں اور اہل زبان نے اس کو بُرا اور معیوب شمار نہیں کیا اگر اس میں بُرائی ہوتی تو فصحاء عرب اس کو ہرگز پسند نہ کرتے۔

(3) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ بُرے

نام تبدیل فرمادیتے تھے۔

(ترمذی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 111)

لیکن اس نام کے بارے میں اشارۃً اور کنایۃً کوئی ممانت ثابت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار پیار و شفقت سے معاویہؓ کا نام لے کر پکارتے اور دعائیں دیتے تھے۔

(4) افصح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دلنشیں ادا بھی اس کے اچھے معانی پر دلیل ہے۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں اس نام کے بیسیوں افراد موجود ہیں علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''تذکرہ من اسم معاویہ'' رضی اللہ عنہ کے تحت تیس 30 سے زائد اکابر کا نام ''معاویہ'' نقل کیا ہے۔ (الاصابہ، جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 430۔) تابعین عظام اور صلحاء اُمت اس کو کبھی نہ پسند نہ فرماتے۔

آنحضرت کے چچازاد بھائی کا نام ''معاویہ بن حارث تھا۔ سیدنا علیؓ کے پوتے کا نام ''معاویہ بن عباس تھا''۔ سیدنا علیؓ کے داماد کا نام ''معاویہ بن مروان'' تھا۔ ان کے ساتھ اپنی بیٹی رملہ کا نکاح ان کے پہلے شوہر کی وفات کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بذاتِ خود کروایا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد کا نام ''معاویہ بن صعصہ تھا۔ سیدنا امام زین العابدین بن سیدنا حسینؓ کے بھتیجے کا نام ''معاویہ بن عبداللہ تھا۔ سیدنا امام باقر کے پوتے کا نام ''معاویہ بن عبداللہ تھا۔ سیدنا امام جعفر صادق کے دو شاگردوں کا نام ''معاویہ بن سعید اور معاویہ بن مُسلمہ تھا''

ان میں سے کسی کا نام نہیں بدلا، کیا لغت کے سہارے سے ان سب کا معنی معاذ اللہ کُتیا۔ کُتے، بھونکنا، لومڑی بچہ کیا جا سکتا ہے؟؟ یا پھر یہاں پہنچ کر لغت تبدیل ہو جائے گی۔ اور طعن و تشنیع کا ہدف بننے کے لیے صرف محسن اسلام مظلوم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی رہ جائیں گے۔ الحاصل دشمنان اسلام کے بے سرو پا شبہات کا شکار ہو کر صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام سے محروم رہنا جائز نہیں۔ [1]

ابوسفیان کو پلید کہنا

اپنے تو اپنے ابوسفیان جیسا پلید، یہ اس وقت کی بات کر رہا ہوں کہ جب وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن جب مسلمان ہو گئے تب تو وہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

قارئین! اس طرح کی گفتگو ہرگز اہل سنت کا طریق نہیں۔ بلکہ موصوف کے اندر کی رافضیت ہے جو ظاہر ہو رہی ہے۔

ہر صحابی نبی جنتی جنتی کا انکار

لیکن کہیں ہم گڑبڑ تو نہیں کر رہے ہیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کیونکہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ الحسن والحسین سیدان شباب اہل الجنۃ تو جب سارے ہی جنتی ہیں تو ان حدیثیوں کا کیا کرو گے کہیں ان حدیثیوں کو رگڑیں کے لئے تو یہ نعرہ نہیں لگایا جا رہا

قارئین! یہ بھی اس رافضی کی عیاری ہے، یہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ پہ درست ہیں، ایک کا تذکرہ دوسرے کی فضیلت کی نفی کو مستلزم نہیں۔

---

[1] فتویٰ خیر المدارس ملتان

حضرت عائشہ خطا پہ تھیں اور حدیث حواب کو پیش کرنا

حضرت عائشہ اور حضرت علی کا تنازع ہوا حق علی کے ساتھ طلحہ و زبیر کا تنازع ہوا گو کہ یہ جو تین صحابہ ہیں انہوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا تھا انہوں نے معافی مانگ لی تھی مولا علی سے زندگی ہی میں حضرت عائشہ پہ جب حواب کے کتے بھونکے جب وہ جارہی تھیں تو آپ نے آپ فرمایا مجھے حضور کی حدیث یاد آگئی انہوں نے فرمایا تھا عائشہ وہ کیسا دن ہوگا جب حوابب کے کتے تجھ پر بھونکیں گے یہ حدیث صحیح ہے حواب کے کتے تجھ پر بھونکے گیں تو یاد رکھنا جب حواب کے کتے تجھ پر بھونکھیں تو یقین کر لینا علی حق پہ ہوگا۔ سیدہ عائشہ ساری زندگی اپنے اس کئے پہ روتی رہیں نادم رہی پریشان رہیں۔ حضرت طلحہ آپ نے بھی رجوع کیا معافی مانگی حضرت زبیر معافی مانگی جنگ صفین میں حضرت معاویہ اور انکا لشکر مولا علی کے خلاف آیا انہوں نے جنگ کی۔ اس جنگ میں ستر ہزار لوگ مارے گئے اہلسنت کا سلفا خلفا یہ عقیدہ ہے کہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا۔ حضرت معاویہ نے امیر المومنین خلیفہ وقت کے خلاف آپ نے کھڑے ہوکر تلوار اٹھائی۔ جناب معاویہ نے غلط کیا ان کی یہ غلطی ہے اہلسنت و جماعت کے عقیدے کے مطابق بعض نے اسے خطاء معصیت قرار دیا اور بعض نے اسے خطاء منکر اجتہادی قرار دیا۔ جو کہے حضرت علی بھی حق پہ تھے اور ان کے مقابلے میں آنے والے حق پہ تھے وہ خارجی و ناصبی ہے (Mola Ali A.S Haq Par)

۔مولا علی حق پر تھے۔ (Mufti Hanif Qureshi-

قارئین! اولا حدیث حواب مجروح ہے، قیس بن حازم پہ جرح موجود ہے، لیکن اس قطع نظر حدیث حواب میں کہیں بھی یہ موجود نہیں کہ حضرت علی حق پہ ہوں نگے، یہ موصوف کا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ صریح کذب ہے۔ ہم اس بدبخت رافضی کو چیلنج کرتے ہیں وہ حدیث حواب سے یہ الفاظ ثابت کردے کہ علی حق پہ ہونگے، دوئم جن روایات میں حضرت عائشہ کا نام ہے وہ تمام روایات صحیح نہیں۔ (حاشيه مختصر التحفة الاثني عشرية 1/276، سير أعلام النبلاء، 2/167، 168)

سوئم جن روایات میں اس واقعہ کا ذکر ہے ان میں کہیں بھی اس واقعہ پہ تنبیہ نہیں، اس لئے حضرت عائشہ پہ کوئی اعتراض نہیں۔ چہارم ہم یہاں ایک خطیبانہ نکتہ بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ مولوی صاحب! غور کیجئے کہ یہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانی ہے کہ آپ نے بتلا دیا کہ صدیقہ پہ کتے ہی بھونکیں گے اب وہ حواب کے ہوں یا پنجاب کے، یہ ان کی قسمت ہے۔ پھر موصوف کا یہ کہنا حضرت عائشہ نے رجوع کرلیا، ہم پوچھتے ہیں کس چیز سے صدیقہ کائنات رضی اللہ تعالی عنہا نے رجوع کیا اور نہ ہی حضرت طلحہ کے رجوع کا ذکر موجود ہے، رہ گئی یہ بات کہ اکابرین نے لکھا ہے تو اکابرین نے صحابی رسول پہ طعن کرنے والے کو رافضی بھی کہا ہے، موصوف اسے بھی تسلیم کریں۔ رہ گیا یہ جھوٹ کہ بعض علماء اہلسنت نے حضرت معاویہ کی خطاء کو خطاء معصیت کہا ہے، یہ بھی اس رافضی کے اندر کا بغض ہے، اس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں، تفصیل آئندہ اوراق کی زینت ہے۔ اس رافضی کے لئے سخت زبان اس

لئے استعمال کی گئی ہے کہ یہ صحابی رسول کے نام کے متعلق انتہائی نازیبا گفتگو کرتے ہوئے بھی شرمندہ نہیں ہوا، اللہ اس رافضی کو ہدایت دے۔

علی کا پہلا نمبر

اس کی وجہ کیا ہے اگر تو علی کا پہلا نمبر اس کا مطلب یہ ہے، کہ خلافت میں علی کا پہلا نمبر ہے تو جہ ہے نا یعنی کہنے والا اگر خلیفہ بلا فصل علی کو مانتا ہے باقی صحابہ کی خلافت کو نہیں مانتا ہاں یہ ٹھیک ہے وہ رافضی ہے لیکن ادھر وہ وجہ بیان نہیں کر رہا اور شاید وہ کسی اور وجہ سے علی کو پہلا نمبر دے رہا ہے خدا کی قسم ایسی بے شمار حدیثیں ہیں جس میں میرے نبی نے علی کو پہلا نمبر دیا ہوا ہے کئی کام ایسے ہیں جس میں صحابہ نے علی کو پہلا نمبر دیا ہوا ہے کئی کام ایسے ہی جس میں خود علی فرماتے ہیں کہ میں پہلے نمبر پہ ہوں بھائی توجہ ہے کہ نہیں ہے۔۔ ہاں جو خلفائے راشدین کی خلافت کا انکار کرے ان کی صحابیت کا انکار کرے بلا شک وشبہ یہ رفض ہے یہ گمراہی ہے لیکن اگر مطلق کہنے والا علی کو پہلا نمبر دے رہا ہے اور اس کا مقصود کچھ اور انداز ہے کہنے والا کہتا ہے علی کا پہلا نمبر ارے بابا ریزن کیا ہے وجہ کیا وہ جواب دیتا ہے علی کا پہلا نمبر ایمان میں خدا کی قسم یہ بالکل درست ہے کیونکہ یہ صرف اس کہنے والا کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ میرے نبی کے صحابی کا نعرہ تھا۔۔ بلکہ صحابہ کی بات بعد میں کریں گے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کریں گے امام ابن عساکر آپ تاریخ دمشق کے اندر یہ حدیث مبارکہ لیکر آئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول نے فرمایا۔۔۔۔ علی پہلا بندہ ہے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق بھی

فرمائی۔ مصنف عبدالرزاق اور بیسیوں حدیث کی کتابوں میں ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔۔علی اسلام لانے والوں میں پہلے نمبر کا بندہ ہے۔ صحابی رسول حضرت زید بن ارقم آپ فرماتے ہیں۔۔۔علی پہلا مسلمان ہے۔ حضرت ابوذر غفاری صحابی رسول ہیں ابن صلاح کے مقدمہ میں، اور دیگر بیسیوں کتابوں میں حضرت ابوزر فرماتے ہیں علی پہلا مسلمان ہے حضرت مقداد یہ حدیث سیرت کی کئی کتابوں میں ہے جناب مقداد فرماتے ہیں۔۔۔علی پہلا مسلمان ہے ۔حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت جابر بن عبد اللہ حضرت غثیمہ انصاری۔۔۔۔۔۔۔۔اور دیگر کئی صحابہ فرماتے ہیں کہ علی دا پہلا نمبر۔۔اگر مطلقا پہلا نمبر کہنے پہ آپ رفض کا فتوی دیتے ہو تو کیا کرو گے یہ صحابہ بھی حضرت علی کو ایمان و اسلام میں پہلا نمبر دے رہے ہیں۔اچھا تو میں نے کلئیر دیا کہ رفض صرف ایک صورت میں بنتا ہے کہ جب آپ دوسروں کو نہ مان کر مولا علی کو خلافت کے حوالہ سے باقیوں کے اوپر آپ اٹیک کریں اور خلافت راشدہ کا انکار کریں اور پھر آپ مولا کائنات کے حوالہ سے بات کریں تو پھر یہ رفض ہے لیکن ویسے علی دا پہلا نمبر کہنے سے رفض نہیں ہوتا۔۔۔علی کا ایمان لانے میں پہلا نمبر ہے (تقریر)

قارئین! اس طرح اولیت کے اعتبار سے سب سے پہلے ایمان بالاتفاق حضرت خدیجہ لیکر آئیں ہیں، لیکن آج تک کسی رافضی نے خدیجہ کا پہلا نمبر کا نعرہ نہیں لگایا! جتنے بھی حوالہ جات پیش کئے ہیں وہ سب مول ہیں، اگر مطلقا مانا جائے تو خدیجۃ الکبری

سے بھی پہلے حضرت علی کا ایمان تسلیم کرنا پڑے گا، جب کہ ایسا ہر گز درست نہیں۔اس لئے موصوف کی یہ تاویل فقط اندر کی رافضیت کو چھپانے کے لئے ہے، اس لئے یہ لوگ طرح طرح کی تاویلات سے عقیدہ تفضیل کو نقصان پہچانے کے در پے رہتے ہیں۔

علی معاویہ بھائی بھائی کہنے پہ اعتراض

غزوہ تبوک کے میرے نبی مکرم کے پیارے بھائی حضرت مولا علی آج کل پوسٹیں چل رہی ہیں بہت ساری۔اور میرے مولا علی کے ساتھ ایک صحابی ہیں ان کا نام رکھ کر کہا جاتا ہے کہ فلاں اور فلاں اور علی بھائی بھائی یہ اہل سنت و جماعت نہیں خارجیوں اور ناصبیوں کا طریقہ ہے

قارئین! اس رافضی کو علی معاویہ بھائی بھائی کے نعرے سے جو تکلیف ہوئی ہے، یہ اصل میں اس کے اندر موجود رفض کے روگ کے سبب ہے۔اس رافضی کے علم میں کوئی اضافہ کرے کہ یہ نعرہ خود مولیٰ علی نے لگایا ہے۔ صفین میں آپ کے مدمقابل آنے والوں کے متعلق مولیٰ علی نے فرمایا **هم اخواننا بغوا علينا**، وہ لوگ ہمارے بھائی ہیں، انہوں نے ہمارے اوپر زیادتی کی ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 1013 عربی)، (مصنف ابی شیبہ مترجم اردو جلد نمبر 11 صفحہ نمبر 734 مکتبہ رحمانیہ لاہور)۔ہم امید کرتے ہیں کہ یہ رافضی مولیٰ علی رضی اللہ تعالی عنہ پہ بھی فتویٰ بازی کرتے ہوئے انہیں ناصبی قرار دے گا۔جبکہ درحقیقت یہ خود رافضی

ہے اور اہل سنت پہ اس کی خرافات ہر گز حجت نہیں۔

یہی رافضی اپنی ایک تقریر میں کہتا ہے:۔

اب آگے اہل سنت و جماعت کے علماء میں دو رائے ہیں دو کہ انکی یہ خطاء خطائے اجتہادی تھی اور اس بات کو ہمارے بہت سارے علماء نے لکھا اور یہی ہمارا جو ہم نے ٹی وی پہ بیان کیا۔۔۔اور یہی اعلیٰ حضرت اور ان کے متبعین اور بہت سارے اہلسنت کے علماء کا یہی موقف ہے۔۔۔لیکن دوسرا قول وہ بھی علماء اہلسنت کی بڑی بڑی مقتدر ہستیوں کا ہے جن میں فقہا بھی ہیں جن میں بڑے بڑے محدثین بھی ہیں ۔۔جن میں بڑی بڑی ہستیاں بڑے بڑے اللہ کے ولی ہیں ان کا نظریہ اور ان کا قول یہ ہے کہ مولا علی کے مقابلے میں جناب معاویہ جو آئے تو ان کی جو خطاء تھی وہ خطاء اجتہادی کا غیر تھی وہ خطاء اجتہادی نہیں ہے (تقریر)

موصوف کے اس موقف پہ ہم نے کچھ عرصہ قبل ایک تفصیلی تحریر رقم کی تھی، وہی پیش خدمت ہے۔

قارئین! جب سے امیر دعوت اسلامی حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری نے خال المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت امیر معاویہ کا یوم منایا، کئی چہروں سے سنیت کا نقاب الٹ گیا، اہل سنت کے لبادے میں چھپی رافضیت منظر عام پہ آ گئی اور صحابی رسول رضی اللہ عنہ کی ذات کو مجروح کرنے کے لئے قابل مذمت اور قبیح قسم کی کاروائیاں عمل میں لائی گیں اور عامۃ الناس میں مختلف قسم کے شکوک وشبہات کو جنم دیا گیا۔ انہی شبہات

میں سے ایک خطیب صاحب نے یہ شبہہ پیدا کرنے کی بھی کوشش کی کہ اہل سنت کے اندر مشاجرات صحابہ کے متعلق دو مختلف موقف ہیں، کچھ حضرات ان کی خطا کو خطاء اجتہادی قرار دیتے ہیں اور بعض حضرات اس خطا کو خطاء منکر'' سے تعبیر کرتے ہیں اور خطائے اجتہادی کا انکار کرتے ہیں۔

جب کہ ہمارے مہربانوں کی یہ بات ہرگز درست نہیں۔اہل سنت کا موقف صرف خطائے اجتہادی کا ہی ہے، اگر کسی نے اس سے ہٹ کر قول لکھا ہے تو وہ اس کا تسامح ہے، ان کی اس غلطی کی بناء پہ یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ اہل سنت کے دو مختلف موقف ہیں۔مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔

''اہل سنت کی تمام کتابیں اس صراحت سے بھری پڑی ہیں کہ حضرت علی کے فریق مخالف کی غلطی اجتہادی تھی'' (مکتوبات امام ربانی دفتر اول حصہ دوم ص ۵۴)

علامہ عبدالعزیز بن احمد الفرهاروی لکھتے ہیں:۔

''اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ جن حضرات نے حضرت علی کے خلاف خروج کیا انکا خروج امام برحق کے خلاف تھا مگر یہ بغاوت اجتہاد پر مبنی تھی جو معاف ہے (الناھیۃ ص ۳۰، مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی)

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں:۔

''اہل سنت و جماعت کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ تمام صحابہ کرام عادل ہیں گو ان میں بعض شورشوں اور فتنوں کی ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہوئے مگر حسن ظن کی بناء پر کہا گیا ہے کہ فتنے اور شورشیں ان کی اجتہادی خطا و تاویل سے تعبیر ہیں'' (مدارج

النبوت ج ا ص ۲۸۰)

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں :۔

''یہی وجہ ہے کہ تمام اہل سنت نے حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف اور حضرت معاویہؓ کی غلطی کو اجتہادی غلطی قرار دیا ہے '' (حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ص ۱۵۱)

طاہر القادری لکھتے ہیں :۔

''حضرت امیر معایہ کا یہ فیصلہ اور اقدام جمیع ائمہ اہل سنت کے ہاں اجتہادی خطا پر محمول کیا جاتا ہے'' (شہادت امام حسین ص ۱۰۷)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ خود کو اہلسنت کہلانے والے تمامی احباب کا یہ متفقہ موقف ہے کہ امیر معاویہؓ کی خطا، خطائے اجتہادی تھی، اور اگر کسی نے اس سے ہٹ کر قول کیا ہے تو یہ ان کی غلطی ہے، مجدد الف ثانی لکھتے ہیں :۔

''جو شخص بھی غلطی کے علاوہ کسی اور لفظ کا اضافہ کرتا ہے وہ خود زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے'' (مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۵۴)

لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ اہل سنت کا موقف صرف خطائے اجتہادی کا ہے، اور خطیب صاحب نے جن حضرات کا نام لیا ان میں سے اکثر حضرات کا یہی عقیدہ ہے۔ اور اگر کسی نے امیر معاویہ پہ لفظ ''باغی'' کا اطلاق کیا بھی ہے تو ان کے نزدیک بھی آپ کی بغاوت مبنی بر اجتہاد تھی اور اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ ان جنگوں میں حضرت علی کے مقابلے میں حق پہ نہ تھے، شارح صحیح مسلم علامہ

غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

''میں کہتا ہوں اس حدیث میں حضرت معاویہ اور ان کی جماعت پر باغی کا اطلاق صوری اور ظاہری طور پر ہے، جس طرح قرآن مجید میں حضرت آدم کے متعلق ہے:

وعصی ادم ربہ فغوی (طہ:۱۲۱) اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی معصیت کی تو وہ (جنت سے) بے راہ ہو گئے

حقیقت میں حضرت آدم علیہ السلام کی بھی اجتہادی خطا تھی، معصیت نہ تھی اسی طرح حضرت معاویہ کی بھی اجتہادی خطا تھی بغاوت نہ تھی (شرح صحیح مسلم ج ۷ ص ۷۹۰)

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:۔

''باغی وہ ہے مسلمانوں کی جماعت ہے جو خلیفہ برحق کے مقابل آجائے، کسی غلط فہمی کی بنا پر نہ کہ نفسانی وجہ سے (امیر معاویہ پہ ایک نظر ص ۲۴)

نیز لکھتے ہیں:۔

''پھر جب امام حسنؓ نے جناب امیر معاویہؓ سے صلح کر لی۔ تب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امیر المومنین برحق ہوئے یہ ہی مذہب اہل سنت ہے۔ بہر حال جب بھی کسی صحابیؓ کا ذکر ہو تو خیر سے ہو، ان کی عظمت و احترام کا خیال رہے۔ نیز اب چونکہ ہماری اردو اصطلاح میں لفظ باغی بے ادبی کا لفظ مانا جاتا ہے اس لیے اب حضرت امیر معاویہؓ یا ان کی جماعت یا کسی صحابی پر یہ لفظ نہ بولا جائے کیونکہ ہماری اصطلاح میں باغی غدار اور ملک و قوم کے دشمن کو کہا جاتا ہے۔ اصطلاح بدل جانے سے حکم بدل جاتا ہے (امیر معایہ پہ ایک نظر ص ۲۵)

مولانا امجد علی اعظمی ''لفظ باغی'' کے متعلق بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:۔

''اصطلاح شرع میں باغی اسے کہتے ہیں جو امام برحق پر خروج کرے عام ازیں کہ یہ خروج فساد کے لئے ہو یا اس نے اپنی رائے میں مخالفت ہی کو حق جانا ہو یو ہیں خطا کے معنی بھول چوک کے ہیں، قصداً غلطی کرنے کو خطاء نہیں کہتے --عام ازیں کہ عدول عن الحق قصداً ہو یا بلا قصد مگر چونکہ عرف عام میں یہ الفاظ مقام توہین میں بولے جاتے ہیں لہذا اب کسی صحابی کی شان میں ایسے الفاظ ہرگز استعمال نہ کئے جائیں'' (فتاویٰ امجدیہ ج ۴ ص ۴۶۴)

بہرحال اس ساری بحث سے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں:۔

اس بات پہ تمام اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کے آپس کے اختلافات اجتہادی iNo حضرت علی کا اجتہاد درست جبکہ دیگر حضرات کی خطا اجتہادی تھی

حضرت امیر معاویہ پہ لفظ باغی کا اطلاق صوری طور پہ کیا گیا ہے آپ حقیقی باغی نہ تھے اب اس لفظ کا اطلاق آپ کی ذات پہ درست نہیں۔

اب ہم خطیب صاحب کے ذکر کردہ حوالہ جات کی حقیقت بھی اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔اس سلسلہ میں چند دیگر شخصیات کا تذکرہ بھی کیا جائے گا جن کی وجہ سے عامۃ الناس میں شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے ہیں۔

☆امام عبدالرزاق کا موقف

ایک روایت میں آیا ہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا:

"ہماری مجلس کو ابو سفیان کے بیٹے کے ذکر سے خراب نہ کرو۔" (الضعفاء للعقیلی: ۳/ ۱۰۹)

تبصرہ: اس کی سند میں احمد بن زکریا الحضرمی اور محمد بن اسحاق بن یزید البصری دونوں نامعلوم ہیں۔

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ اور تشیع

تشیع کے سلسلے میں عرض ہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کا اثنا عشری جعفری شیعہ یا رافضی ہونا قطعاً ثابت نہیں بلکہ ان کا تشیع بعض اہلِ سنت کا تشیع ہے جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتے تھے اور تمام صحابہ سے محبت کرتے تھے۔ اہل سنت کے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا عبدالرزاق تشیع میں افراط کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا: میں نے اس سلسلے میں اُن (عبدالرزاق) سے کوئی بات نہیں سُنی۔ الخ (الضعفاء للعقیلی: ۳/ ۱۱۰، وسندہ صحیح)

امام عبدالرزاق بن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں شیخین (سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی فضیلت کا قائل ہوں کیونکہ (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے آپ پر فضیلت دی۔ الخ (الکامل لابن عدی: ۵/ ۱۹۴۹، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۶/ ۵۴۰)

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے فرمایا: "واللہ! ما انشرح صدري قط أن أفضّل علياً على أبي بكر وعمر، رحم الله أبابكر و رحم الله عمر، و رحم الله عثمان و رحم الله علياً و من لم يحبهم فما هو بمؤمن فإن أوثق عملي حبي إياهم رضوان الله عليهم و رحمت أجمعين"

اللہ کی قسم! میرے دل میں کبھی علی کو ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہم) پر فضیلت دینے پر اطمینان نہیں ہوا، اللہ ابوبکر پر رحم کرے، اللہ عمر پر رحم کرے، اللہ عثمان پر رحم کرے، اللہ علی پر رحم کرے اور جو ان سب سے محبت نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہے۔ میرا سب سے مضبوط عمل یہ ہے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں، اللہ ان سے راضی ہو اور ان سب پر اللہ کی رحمت ہو۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۱۳۱۰ / ۸۳، وسندہ صحیح، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال لعبداللہ بن احمد بن حنبل: ۶۵۲ / ۱ ح ۱۲۶۴ ۵، وسندہ صحیح)

اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ امام عبدالرزاق شیعہ نہیں تھے بلکہ انھوں نے تشیع یسیر سے بھی رجوع کرلیا تھا کیونکہ اس قول میں وہ چاروں خلفائے راشدین کی ترتیب اور اُن سے محبت کے قائل ہیں۔ جو شخص اس سنہری قول کے باوجود امام عبدالرزاق کو شیعہ شیعہ کہنے کی رَٹ لگاتا ہے اس کا علاج کسی دماغی ہسپتال سے کرانا چاہئے۔

تنبیہ: تشیع یسیر سے بھی امام عبرالرزاق کا رجوع ثابت ہے۔ ابو مسلم البغدادی الحافظ (ابراہیم بن عبداللہ الکجی البصری) نے امام احمد سے نقل کیا کہ امام عبدالرزاق نے تشیع سے رجوع کرلیا تھا۔ دیکھئے تاریخ دمشق لابن عساکر (۹۲ / ۸۳ وسندہ حسن)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی اور فرمایا: "واخذ" اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق: ج ۳ ص ۲ ۹۴ ح ۵۵ ۴۳ دوسرا نسخہ: ۱۵۵۵)

انھوں نے ایک حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور کہا: "واخذ" اور ہم اسی کو لیتے ہیں یعنی اسی کے قائل ہیں۔ (مصنف عبد الرزاق:

۷۹۴/۳ ح ۳۹۳۵ [۰۲۴۶] ()
بہر حال اس تفصیل کا مقصد یہی تھا کہ محدث عبدالرزاق نے تشیع سے رجوع کرلیا تھا

☆ملاں علی قاری کا موقف

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے جس میں آپ نے حضرت امیر معاویہؓ پہ لفظ ''باغی'' کا اطلاق کیا ہے۔

تبصرہ: ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اگر کسی نے باغی کا اطلاق حضرت معاویہؓ پہ کیا بھی ہے تو اس نے اس بغاوت کو مبنی بر اجتہاد تسلیم کیا ہے۔ملا علی قاری کا بھی یہی موقف ہے اور اس حوالہ سے تفصیلی گفتگو صفحہ نمبر 136 پہ موجود ہے۔

☆امام ابو جعفر طحاوی کا موقف

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی اپنی مشہور کتاب ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں لکھتے ہیں:

نحب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نفرط فی حب احد منهم ولا نتبرا من احد منهم و نبغض من يبغضهم وبغير الخير يذكرهم ولا نذكر هم الا بخير وحبهم دين وايمان و احسان وبغضهم كفر و نفاق وطغيان. (شرح العقیدہ الطحاویہ ص704 ج2 بیروت)

ترجمہ: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان میں سے نہ کسی ایک کی محبت میں افراط کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سے برائت کا اظہار کرتے ہیں اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اور بغیر خیر کے ان کا ذکر کرتا ہے ہم اس سے بغض رکھتے ہیں اور ہم ان کا ذکر صرف بھلائی سے کرتے ہیں، ان سے محبت دین و ایمان اور

احسان ہے اور ان سے بغض کفر و نفاق ہے اور سرکشی ہے۔

☆ علامہ تفتازانی کا موقف

علامہ تفتازانی بھی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں، ہم ان کی عبارت کے ترجمہ پہ ہی اکتفاء کرتے ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:۔

''اور مخالف باغی ہیں۔ انہیں باغی اس لئے کہا گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ ؓ کا قول ہے۔ ہمارے ہی بھائیوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی۔ لیکن نہ وہ کافر ہیں نہ ہی فاسق و ظالم۔ کیونکہ بغاوت کے جواز پر ان کے پاس دلیل تھی۔ اگرچہ وہ باطل ہی تھی۔ لہذا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان حضرات نے اجتہادی غلطی اور خطا کی'' (شرح مقاصد ج ۲ ص ۳۰۵)

☆ شیخ عبدالحق کا موقف

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی خطائے اجتہادی ہی کے قائل ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''اس اختلاف کی بنیاد یہ بات ہے جس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی بنیاد اجتہادی غلطی تھی'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۳۲)

☆ صاحب ہدایہ اور علامہ ابن الہمام کا موقف

صاحب ہدایہ کی بھی ایک عبارت اس مقام پہ پیش کی جاتی ہے جس میں انہوں نے حضرت معاویہ ؓ کے لئے لفظ جائر کا استعمال کیا

تبصرہ: جواباً عرض ہے کہ صاحب ہدایہ اس جگہ یہ بحث کر رہے ہیں کہ عادل حاکم کے خلاف بغاوت کرنے والا اگر کسی کو عہدہ پیش کرے کہ امیر معاویہ ؓ سے صحابہ کرام نے

عہدے قبول کئے باوجود کے حق حضرت علیؓ کی طرف تھا۔

اب اس عبارت میں جو حضرت معاویہ کے لئے لفظ جائر کا استعمال کیا گیا ہے اس کے متعلق ''فتح القدیر'' میں ہے:۔

هذا تصريح بجور معاوية والمراد فى خروجه لا فى اقضيته ثم انما يتم اذا ثبت انه ولى القضا قبل تسليم الحسن له واما بعد تسليمه فلا و يسمى ذالک العام عام المحاجة (فتح القدير ج ۵ ص ۴۶۱)

اس عبارت کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت امیر معاویہ کے لئے لفظ جور کا استعمال صرف اس وقت تک درست تھا جب آپ نے خروج کیا، حضرت حسن سے صلح کے بعد آپ کی خلافت صحیح ہوگئی۔ اسی لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔

''بعض فقہاء نے حضرت معاویہ کے حق میں جو ''جور'' کا لفظ استعمال کر کے انہیں امام جائر کہا ہے۔ اس مراد یہ کہ وہ حضرت علی زمانہ خلافت میں مستحق خلافت نہ تھے نہ یہ کہ اس سے مراد وہ جور ہے جس کا مآل فسق وضلالت ہے'' (مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۵۴)

یعنی اس سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ کی خلافت حضرت علی کے مقابلے میں درست نہ تھی، اور اس خطا کو صاحب فتح القدیر نے بھی اجتہادی تسلیم کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''وما جرى بين معاوية و على من الحروب كان مبنيا على الاجتهاد لا منازعة فى الامامة'' (المسامرة بشرح المسايره ج ۶ ص ۱۳۲)

☆شاہ عبدالعزیز کا موقف

خطیب صاحب نے فتاویٰ عزیزی کا حوالہ دیا، جس کے متعلق عرض ہے کہ اس الحاقی ہونے میں کوئی شبہ نہیں، یہ مختصر مضمون تفصیل کی اجازت نہیں دیتا، تفصیل کے خواہش مند حضرات مفتی نذیر احمد سیالوی دامت برکاتہم کی کتاب ”مناقب الخلفاء راشدین“ ج ۲ ص ۱۷۷ تا ۱۸۶ ”اور قاضی مظہر حسین چکوالی دیوبندی کی کتاب ”دفاع معاویہ“ کی طرف رجوع کریں۔اور جہاں تک ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں موجود فسق اعتقادی“ کے الفاظ کا سوال ہے تو اس کی وضاحت خود شاہ صاحب نے یوں کی :۔

در عرف اہل سنت خطائے اجتہادی نامند "(تحفہ ص ۶۱۸)

پھر شاہ صاحب نے خود ”تحفہ اثنا عشریہ“ میں تحریف کا ذکر کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وتعریضات درباب معاویہ ازیں فقیر واقعہ نہ شد اگر در نسخہ از تحفہ اثنا عشریہ یافتہ شود الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بنائے ایشاں یعنی گروہ رافضہ از قدیم بر ہمیں امور است ایں کار کردہ باشد چنانچہ بسمع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند۔ اللہ خیر حافظ وایں تعریضات در نسخ معتبرہ البتہ یافتہ نخواہد شد (مکتوبات شاہ عبد العزیز ص ۲۶۵۔۲۶۶)

شاہ صاحب کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ تحفہ میں حضرت معاویہؓ کے متعلق تحریف ہوئی ہے۔بہر حال شاہ صاحب کا موقف بھی خطائے اجتہادی کا ہی ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے، مگر معاندین اگر ان کی مکمل عبارت ہی نقل کر دیں تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

''چونکہ حضرت معاویہؓ کا ارادہ بغاوت کا نہ تھا بلکہ طلب قصاص کی بناء پر ایک اجتہادی غلطی کے مرتکب ہوئے، اس میں ان کو ایک ثواب ملے گا، اس بناء پر معاویہؓ اور ان کے ساتھی گنہگار قرار نہیں دیئے جاسکتے'' (السیف المسلول ص ۳۷۵)

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اشخاص کے شبہات کا ازالہ بھی کر دیا جائے جو بظاہر خود کو اہل سنت سے منسوب کرتے ہیں مگر درحقیقت حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق غیر محتاط اور نادرست قسم کے نظریات کی تبلیغ و ترویج کرتے پائے جاتے ہیں۔

12۔صابر حسین شاہ

موصوف عبد القادر شاہ کے بھائی ہیں،اب اس دنیا سے کوچ فرما چکے ہیں،جناب کا رافضیت پھیلانے میں ایک خاص کردار ہے،زبدۃ التحقیق اور مفتی غلام رسول جماعتی کی کتب موصوف کے تعاون سے شائع ہوئیں،ہم موصوف کے چند نظریات پیش کئے دیتے ہیں۔جناب لکھتے ہیں:۔

کچھ لوگ اہل سنت والجماعت کا لبادہ اوڑھے خارجیوں اور ناصبیوں کے عقائد و نظریات پھیلانے کی سعی لاحاصل میں سرگرم عمل ہیں(قاسم ولایت ص5)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

یہ اعلان نبی ہے اور اعلان ولایت علی ہے۔جو قاسم الولایت تھے،ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔۔۔۔اس اعلان ولایت علی کا جو منکر ہے وہ فرمان نبی ﷺ کا منکر ہے اور حضور ﷺ کی دعا کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عداوت کی دعوت دیتا ہے(قاسم ولایت 5)

نیز لکھتے ہیں:۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود اور ایک بڑی تعداد جن میں اکثریت فقہاء صحابہ کی تھی ،حضور مولائے کائنات کو افضل مانتی تھی۔اسی طرح ائمہ اہل بیت بھی مولائے کائنات کو افضل جانتے تھے۔یہاں تک کہ امام اعظم ابو حنیفہ کی بیعت بھی حضرت امام زید بن علی کے ساتھ تھی جو مولائے کائنات کو افضل جانتے تھے(زبدۃ التحقیق

ص11)

ایسے ہی لکھا:۔

تفضیل ظنی ہے قطعی نہیں، جمہوری ہے اجماعی نہیں اور نہ یہ ضروریات دین کا مسئلہ ہے (زبدۃ التحقیق ص13)

یہ نظریات موصوف کی تفضیل کی جانب میلان کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

13۔ ضیاء احمد بدایونی

موصوف علی گڑھ کے فاضل ہیں، جناب کی کتاب ہمیں اہل تشیع کے مکتبہ سے میسر آئی ،کتاب کا ظاہر تو ان کا تعلق اہلسنت سے ظاہر کرتا ہے، لیکن جب کا اس مطالعہ کیا جائے تو در پردہ چھپا رفض عیاں ہو جاتا ہے۔ ہم موصوف کے نظریات پہ مختصر تبصرہ عرض کئے دیتے ہیں۔

قصاص کی آڑ

جناب لکھتے ہیں:۔

ابھی اس ہنگامے سے فراغت ہی ہوئی تھی کہ امیر شام (معاویہ) قصاص کی آڑ لیکر حضرت علی کے مقابل میں صف آراء ہوئے۔ متعدد لڑائیاں ہوئیں جو تاریخ میں جنگ صفین کے نام سے مشہور ہیں (قول سدید ص28)

نیز لکھا:۔

یہاں تک کہ حضرت عثمان کے بعد ان کے قصاص کی آڑ میں جناب مرتضیٰ کے خلاف خروج کیا اور بعد کو تمام بلاد اسلام پر قابض ہو گئے (قول سدید ص52)

موصوف کے قلم سے قرطاس پہ منتقل ہونے والے الفاظ پہ سوائے اظہار افسوس کے کچھ اور کہنا مناسب نہیں۔ اس لئے کہ یہ بات کوئی ایسا شخص رقم کرے جس کا بغض صحابہ کے اندھیروں سے مملو ہو، مگر اہل سنت کا لیبل لگا کر اہل تشیع کے موقف کا علمبردار بننا بھی انتہائی خطرناک روش ہے۔ خیر اس مسئلہ پہ ہم اکابرامت کے کافی

سے زائد اقوال پیش کر چکے ہیں، جس میں انکار بیعت کی وضاحت موجود ہے۔ پھر امام جوینی لکھتے ہیں:۔

إن معاوية وإن قاتل علياً فإنه لا ينكر إمامته ولا يدعيها لنفسه، وإنما كان يطلب قتلة عثمان ظناً منه انه مصيب، وكان مخطئاً. (لمع الأدلة فى عقائد أهل السنة للجويني، ص:115)

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اگرچہ حضرت علی سے لڑائی کی لیکن انہوں نے کبھی بھی نہ ان کی خلافت کا انکار کیا اور نہ ہی کبھی اپنے لئے خلافت کا دعوی کیا، بس وہ تو حضرت عثمان کے قاتلوں کو چاہتے تھے اور یہی ان سے خطا ہوئی

ابن حجر ہیتمی لکھتے ہیں:۔

حضرت علی اور حضرت معاویہ کی جنگ خلافت کے معاملے پر نہیں تھی کیونکہ اس کے حقدار تو بالاتفاق حضرت علی ہی تھے، دراصل جنگ کی وجہ قصاص عثمان تھی (الصواعق المحرقہ ص325)

ابن تیمیہ لکھتے ہیں:۔

حضرت معاویہ نے کبھی بھی حضرت علی کی زندگی میں نہ تو خلافت کا دعوی کیا اور نہ ہی اس پر لوگوں سے بیعت لی۔ (مجموع الفتاوی:35/ 72)

خود حضرت علی فرماتے ہیں:۔

وَكَانَ بَدْءُ أَمْرِنَا أَنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمُ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَنَبِيَّنَا وَاحِدٌ، وَدَعْوَتَنَا فِي الإِسْلاَمِ وَاحِدَةٌ، وَلاَ

نَسْتَزِيدُهُمْ فِي الإِيمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيقِ بِرَسُولِهِ، وَلاَ يَسْتَزِيدُونَنَا، وَالأَمْرُ وَاحِدٌ إِلاَّ مَا اخْتَلَفْنَا فِيهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ، وَنَحْنُ مِنْهُ بَرَاءٌ! (نہج البلاغۃ ص 151)

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل شام کے درمیان اگرچہ جنگ ہوئی لیکن ہمارا رب ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے، بس اختلاف تو صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص پر ہے اور ہم اس کے خون کے الزام سے بری ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

میرے لشکر کے مقتول اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کے مقتول دونوں جنتی ہیں۔ (مجمع الزوائد ج 9 ص 258)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین سے واپسی پر فرمایا۔ امارات معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی خزانہ سمجھو کیونکہ جس وقت وہ نہ ہوں گے تم سروں کو گردنوں سے اڑتا ہوا دیکھو گے۔ (شرح عقیدہ واسطیہ، مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو جب شہادت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو سخت افسردہ ہو گئے اور رونے لگے (البدایہ ج 8 ص 130)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو صاحب فضل کہا۔ (البدایہ ج 8 ص 131)

دو مشہور صحابہ ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔

ہم معاویہ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کر رہے

ہیں جبکہ ان کا اسلام مقدم، ان کا مرتبہ آپ سے بلند، اور وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں......تو معاویہ رضی اللہ نے جواب دیا کہ ہماری لڑائی قصاص عثمان پر ہے کیونکہ قاتلین عثمان ان کے پاس ہیں، بس وہ ان سے بدلہ لے لیں پھر سب سے پہلے میں بیعت کرونگا (البدایۃ والنہایۃ ج7ص360)

ان تمام حوالہ جات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی کی بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ یہ بات جانتے تھے کہ قاتلین عثمان نے حضرت علی رضی اللہ عنہم کو گھیر رکھا ہے اور ان کی راہ میں آخری رکاوٹ اب حضرت معاویہ ہی ہیں۔ اگر آپ بھی بیعت کر لیتے تو اگلے دن ہی یہ باغی آپ کو معزول کروا دیتے اور پھر ان کی راہ بالکل ہی صاف ہو جاتی۔ باغیوں نے دیگر گورنروں کے ساتھ یہی کیا تھا اور ان کا مقصد یہی تھا کہ کمزور گورنر مقرر کروا کر ان کے پردے میں خود حکومت کی جائے۔ اسی خطرے کے پیش نظر حضرت معاویہ نے حضرت علی کی بیعت نہ کی۔ لیکن ان کی خلافت کا انکار بھی نہ کیا اور صرف یہی مطالبہ رکھا کہ اگر حضرت علی، ان باغیوں کو اپنے سے الگ کر دیں اور انہیں سزا دیں تو وہ ان کی بیعت کے لیے تیار ہیں۔

ابومخنف وغیرہ نے حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین سفارت کاری کا حال لکھا ہے اور اس ضمن میں اپنی صحابہ دشمنی کے پیش نظر ایسی باتیں درج کی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے دل میں ایک دوسرے کے بارے میں بغض تھا۔ یہ بات خلاف حقیقت ہے۔ اگر ان کے دلوں میں بغض اور دشمنی ہوتی تو

حضرت علی و معاویہ دو ماہ تک جنگ وجدال سے کیوں پرہیز کرتے؟ ایسے ہی ایک واقعے کو بیان کرتے ہوئے اس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کچھ جملے لکھے ہیں، جن سے آپ کا اصل مقصد ظاہر ہوتا ہے:۔

آپ کے صاحب (حضرت علی) کا یہ خیال کہ انہوں نے عثمان کو شہید نہیں کیا، ہم اس کی تردید نہیں کرتے۔لیکن کیا آپ لوگ قاتلین عثمان سے واقف نہیں ہیں؟ کیا آپ یہ نہیں جانتے کہ قاتلین عثمان ہی آپ کے صاحب (علی) کے ساتھی (بنے ہوئے) ہیں؟ وہ ان قاتلین کو ہمارے حوالے کر دیں تا کہ ہم انہیں عثمان کے قصاص میں قتل کر دیں۔اس کے بعد ہم آپ کے امیر کی اطاعت کرنے اور اتحاد جماعت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں۔(طبری۔جلد3، حصہ دوئم ص198)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہما کی ذات سے کوئی مسئلہ نہ تھا بلکہ ان کا مطالبہ صرف ان باغیوں کو الگ کر کے سزا دینے کا تھا۔دوسری طرف باغی پارٹی کا پورا آئس برگ اب ظاہر ہو چکا تھا اور یہ اب اکٹھے ہو کر کوفہ میں جمع تھے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کے اس مطالبے کو کوفہ کی جامع مسجد میں پیش کیا تو کئی ہزار آدمیوں نے اٹھ کر کہا کہ ہم قاتل عثمان ہیں۔[1]

بسر بن ارطاۃ

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں:۔

[1] تاریخ مسلم از مبشر نذر

اگر چہ امیر معاویہ کے جنرل حضرت علی کے علاقہ پر چڑھائی کرتے اور بچوں اور بوڑھوں کے قتل سے بھی دریغ نہ کرتے تھے (قول سدید ص 29)

اس قسم کے واقعات کے متعلق علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:۔

: "ویقال إن بسراً قتل خلقاً من شیعة علی فی مسیره هذا وَهَذَا الْخَبَرُ مَشْهُورٌ عِنْدَ أَصْحَابِ الْمُغَازِي وَالسِّيَرِ، وَفِي صِحَّتِهِ عِنْدِي نَظَرٌ"

کہا جاتا ہے کہ بسر بن ارطاۃ نے اسی سفر کے دوران میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہت سے ہمنواؤں کو قتل کیا یہ خبر اصحاب المغازی والسیر کے ہاں بہت مشہور ہے مگر میرے نزدیک اس کی صحت میں نظر ہے۔(البدایة: 7/323)

پھر اس روایت کی جو سند بیان کی گئی ہے وہ کچھ یوں ہے:۔

فذکر عن زیاد بن عَبْدِ اللهِ البکائی، عن عوانة.(تاریخ طبری ج 5 ص 139، تاریخ طبری، مترجم، ج4 ص 755)

زیاد بن عبداللہ البکائی کے بارے میں ماہرین کی آراء یہ ہیں: ابو حاتم کہتے ہیں کہ بکائی سے روایت کرنا درست نہیں۔ ابن المدینی کے مطابق یہ ضعیف راوی ہیں، میں نے ان سے روایتیں لکھی بھی ہیں اور ترک بھی کی ہیں۔ ابن معین کے مطابق جنگوں کی تاریخ کے بارے میں ان کی روایتوں میں حرج نہیں لیکن دیگر امور میں ان کی روایتیں قبول نہ کی جائیں گی۔ نسائی کے نزدیک یہ صاحب ضعیف ہیں۔ ابن سعد کا کہنا ہے کہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف تھے لیکن ان کی روایتیں نقل کی جاتی

تھیں۔ احمد بن حنبل البتہ یہ کہتے ہیں کہ ان کی حدیث، سچے لوگوں کی حدیث ہے۔ (ذہبی میزان الاعتدال، راوی نمبر 2952)

ان آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ سوائے احمد بن حنبل کے، اکثر ماہرین کے نزدیک زیاد البکائی ضعیف ہے۔ دوسرے راوی عوانہ ہیں، جو غالباً عوانہ بن حکم الکلبی ہے۔ ان صاحب کی زیادہ تفصیلات ہمیں فن رجال کی کتب میں نہیں مل سکیں۔ صرف اتنا لکھا ہے:

عوانہ بن الحکم بن عیاض بن وزر الکلبی جن کی کنیت ابو الحکم کوفی تھی، بڑے اخباری (ماہر تاریخ) تھے اور فصیح لوگوں میں سے ایک تھے۔ ان کی کتابوں میں "التاریخ" اور سیر معاویہ و بنی امیہ" اور دیگر کتب شامل ہیں۔ ان سے ہشام کلبی وغیرہ روایتیں کرتے تھے۔ وہ نقل کرنے کے معاملے میں "صدوق" یعنی سچے آدمی تھے (یعنی جو سچ یا جھوٹ ان کے سامنے بیان ہوتا، اسے ٹھیک ٹھیک نقل کر دیتے تھے۔) محمد بن اسحاق الندیم کا قول ہے کہ وہ 147 / 764 میں فوت ہوئے۔ [سیر اعلام النبلاء]

واضح ہے کہ عوانہ جب 147 / 764 میں فوت ہوئے تو انہوں نے یہ روایت اس واقعے کے تقریباً سو برس بعد بیان کی ہوگی۔ عوانہ ہرگز اس واقعے کے عینی شاہد نہیں ہو سکتے۔ درمیان میں نجانے کتنی کڑیاں غائب ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ یہ نامعلوم راوی کس قسم کے لوگ ہیں، قابل اعتماد ہیں بھی یا نہیں۔ جتنی نامکمل سند اس روایت کی موجود ہے، وہ تو قابل اعتماد نہیں ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عوانہ کے شاگرد ہشام کلبی، جو

انہی کے ہم قبیلہ ہیں، نے ان سے یہ باتیں منسوب کر دی ہوں[1]۔ پھر اس واقعہ میں حضرت علی کے ردعمل کا ذکر بھی یوں ملتا ہے کہ حضرت علی کو جب بسر کے حملہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے جاریہ ابن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو ہزار فوجی دے کر روانہ کیا اور اس سے آگے تاریخ میں کچھ یوں رقم ہے:۔

فسار جارية حَتّٰى أتى نجران فحرق بِهَا، وأخذ ناسا من شيعة عُثْمَان فقتلهم، وهرب بسر وأَصْحَابه مِنْهُ، واتبعهم حَتّٰى بلغ مكة، فَقَالَ لَهُمْ جارية: بايعونا، فَقَالُوا: قَدْ هلك أَمِير الْمُؤْمِنِينَ، فلمن نبايع؟ قَالَ: لمن بايع لَهُ أَصْحَاب علي، فتثاقلوا، ثُمّ بايعوا ثُمّ سار حَتّٰى أتى الْمَدِينَة وأبو هُرَيْرَةَ يصلي بهم، فهرب مِنْهُ، فَقَالَ جارية: وَاللهِ لو أخذت أبا سنور لضربت عنقه، ثُمّ قَالَ لأهل الْمَدِينَة: بايعوا الْحَسَن بن علي، فبايعوه وأقام يومه، ثُمّ خرج منصرفا إِلَى الْكُوفَةِ، وعاد أَبُو هُرَيْرَةَ فصلى بهم. (تاریخ طبری ج 5 ص 140)

۔جاریہ اپنا لشکر لے کر نجران پہنچا اور پورے شہر کو جلا کر راکھ کر دیا اور حضرت عثمان کے حامیوں میں سے بہت سے لوگوں کو پکڑ کر قتل کیا۔ بسر اور اس کے ساتھی شام بھاگ گئے۔ جاریہ اس کی تلاش میں چلا اور یمن سے مکہ پہنچا اور انہیں حکم دیا کہ

[1] تاریخ مسلم از مبشر نذر

ہماری بیعت کرلو۔اہل مکہ نے جواب دیا۔امیر المومنین تو ہلاک ہو چکے ہیں اب ہم کس کی بیعت کریں۔اس نے جواب دیا: جس کی شیعان علی بیعت کریں اسی کی تم نا معلوم بیعت کرلو۔ یہ بات اہل مکہ کو بہت ناگوار گزری۔لیکن مجبوراانہوں نے بیعت کر لی۔اس کے بعد جاریہ مدینہ کی جانب بڑھا۔وہاں لوگوں کو حضرت ابو ہریرہ نماز پڑھاتے تھے۔ابو ہریرہ جاریہ کے خوف سے مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔جب جاریہ کو معلوم ہوا تو کہنے لگا خدا کی قسم اگر میں اس بلی والے کو پالیتا تو اس کی گردن اتار لیتا (تاریخ طبری ج3 ص757،مترجم)

یہ روایت صرف حضرت معاویہ ہی نہیں خود حضرت علی کے بھی خلاف ہے،اور آپ کی ذات کو بھی مجروح کرتی ہے۔کیا حضرت علی سے یہ توقع ممکن ہے کہ وہ ایسے حضرات کو بھیجیں جو سارے نجران کو جلا کر خاک کر دیں؟اس لئے یہ ساری روایت محض صحابہ کرام کو بدنام کرنے لئے تراشی گئی ہے اور اس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔

شرائط صلح کی بحث

موصوف لکھتے ہیں:۔

حضرت علی کے بعد حضرت حسن خلافت پر فائز ہوئے اور جن صحابہ کرام نے حضرت علی سے بیعت کی تھی انہوں نے حضرت حسن سے بیعت کی،مگر افسوس کہ امیر معاویہ نے آپ کے خلاف بھی فوج کشی کی۔چونکہ آپ خونریزی کو ناپسند فرماتے تھے۔اس لئے خلافت سے دستبردار ہو گئے اور صلح نامہ مرتب ہو گیا (قول

سدید (30

قارئین کرام! صلح پہ کچھ گفتگو اوراق سابقہ کی زینت ہے، تفصیل آئندہ اوراق پہ بھی درج ہے۔ یہاں ہم موصوف کے اقتباس پہ مختصر گفتگو آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔ صلح کا تذکرہ بخاری کی جس حدیث میں ہے وہ یوں ہے:۔

حدثنا عبد الله بن محمد، حدثنا سفيان، عن ابی موسی، قال: سمعت الحسن، يقول:" استقبل والله الحسن بن علی معاوية بكتائب امثال الجبال، فقال عمرو بن العاص: إنی لاری كتائب لا تولی حتى تقتل اقرانها، فقال له معاوية: وكان والله خير الرجلين، ای عمرو إن قتل هؤلاء هؤلاء وهؤلاء هؤلاء من لی بامور الناس بنسائهم من لی بضيعتهم، فبعث إليه رجلين من قريش من بنی عبد شمس: عبد الرحمن بن سمرة، وعبد الله بن عامر بن كريز، فقال: اذهبا إلى هذا الرجل فاعرضا عليه وقولا له، واطلبا إليه، فاتياه، فدخلا عليه فتكلما وقالا له فطلبا إليه، فقال لهما الحسن بن علی: إنا بنو عبد المطلب قد اصبنا من هذا المال، وإن هذه الامة قد عاثت فی دمائها، قالا: فإنه يعرض عليك كذا وكذا، ويطلب إليك ويسالك، قال: فمن لی بهذا؟ قالا: نحن لك به، فما سالهما شيئا إلا قالا نحن لك به، فصالحه، فقال الحسن: ولقد سمعت ابا بكرة، يقول: رايت

رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر، والحسن بن علي إلى جنبه، وهو يقبل على الناس مرة وعليه اخرى، ويقول: إن ابني هذا سيد، ولعل الله ان يصلح به بين فئتين عظيمتين من المسلمين" (بخاری، رقم حدیث 2704)

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، ان سے ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ میں نے امام حسن بصری سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ قسم اللہ کی جب حسن بن علی رضی اللہ عنہما (معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں) پہاڑوں جیسا لشکر لے کر پہنچے، تو عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا (جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مشیر خاص تھے) کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو اپنے مقابل کو نیست و نابود کیے بغیر واپس نہ جائے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا اور قسم اللہ کی، وہ ان دونوں اصحاب میں زیادہ اچھے تھے، کہ اے عمرو! اگر اس لشکر نے اس لشکر کو قتل کر دیا، یا اس نے اس کو قتل کر دیا، تو (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) لوگوں کے امور (کی جواب دہی کے لیے) میرے ساتھ کون ذمہ داری لے گا، لوگوں کی بیوہ عورتوں کی خبر گیری کے سلسلے میں میرے ساتھ کون ذمہ دار ہو گا۔ لوگوں کی آل اولاد کے سلسلے میں میرے ساتھ کون ذمہ دار ہو گا۔ آخر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حسن رضی اللہ عنہ کے یہاں قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمی بھیجے۔ عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز، آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے یہاں جاؤ

اوران کے سامنے صلح پیش کرو، ان سے اس پر گفتگو کرو اور فیصلہ انہیں کی مرضی پر چھوڑ دو۔ چنانچہ یہ لوگ آئے اور آپ سے گفتگو کی اور فیصلہ آپ ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہم بنو عبدالمطلب کی اولاد ہیں اور ہم کو خلافت کی وجہ سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت ہوگئی ہے اور ہمارے ساتھ یہ لوگ ہیں، یہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں، بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں۔ وہ کہنے لگے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا روپیہ دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں۔ فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑا ہے اور آپ سے پوچھا ہے۔ حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کی ذمہ داری کون لے گا؟ ان دونوں قاصدوں نے کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ حسن نے جس چیز کے متعلق بھی پوچھا، تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ آخر آپ نے صلح کر لی، پھر فرمایا کہ میں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے سنا تھا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر یہ فرماتے سنا ہے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن رضی اللہ عنہ کی طرف اور فرماتے کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں میں صلح کرائے گا

اس مکمل حدیث کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ موصوف کا یہ کہنا کہ حضرت معاویہ نے خروج کیا، درست نہیں بلکہ لشکر لیکر خود امام حسن ہی نے پیش رفت

کی تھی، دوئم یہ مکمل حدیث شرائط صلح کو بھی واضح کرتی ہے۔اس سے واضح ہوتا ہے کہ جن شرائط پہ صلح ہوئی ان میں خون خرابہ کی طرفین کی سے ممانعت کی گئی، اسی لئے حضرت معاویہ نے بعدازاں باغیوں کو قتل نہیں کیا، سوئم پیسے کا مطالبہ انہیں لالچی لوگوں کے لئے تھا، امام حسن نے اپنے لئے نہیں کیا۔جب کہ معاندین صلح کی جو شرائط پیش کرتے ہیں، اس میں اس قسم کا مطالبہ خالصتا امام حسن کی ذات گرامی کے لئے ہے ،اس لئے ایسی صحیح روایت، کے بالمقابل مجروح روایات کا سہارا لیکر حضرت معاویہ پہ اعتراض درست نہیں۔

ولی عہدی اور مکروہ روایات

اس جگہ موصوف نے وہی روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ ہم عرض کر چکے کہ حضرت معاویہ نے یزید کی بیعت سازش وتلوار کے زور سے لی اور صحابہ نے جبرا بیعت کی (مخلصا قول سدید ص33-35)

ایسے ہی لکھتے ہیں:۔

امیر معاویہ نے بااختیار ہونے کے بعد جمہوری طریقے کو نظر انداز کر کے دباو سے اپنے بیٹے کی لوگوں سے بیعت لی لیکن چند بزرگوں نے دباؤ کے باوجود بیعت نہیں کی (قول سدید ص48)

قارئین! اس سلسلہ میں جو روایات پیش کی جاتی ہیں وہ انتہائی مکروہ ہیں، جن کی بدولت نہ صرف حضرت معاویہ بلکہ دیگر صحابہ کا کردار بھی داغدار ہوتا ہے، ہم ان پہ تبصرہ

کر چکے ہیں، اعادہ کی حاجت نہیں۔

چار اعتراضات کا جواب

جناب لکھتے ہیں:۔

حضرت حسن بصری کہتے تھے کہ معاویہ نے چار باتیں ایسی کیں کہ ان میں سے ایک بھی ہوتی تو موجب ہلاکت تھی۔(1) اس امت پر جاہلوں کو مسلط کر دیا (2) اپنے شراب خور بیٹے کو ولی عہد مقرر کر دینا (3) زیاد کو اپنے خاندان میں شامل کرنا اور حضر بن عدی کو قتل کرنا (قول سدید ص 52)

قارئین! اس قسم کے اعتراض شیعہ مصنفین کے قلم سے اگر قرطاس پہ درج ہوں تو اس قدر اچنبھہ کی بات نہیں۔ مگر خود کو اہل سنت سے منسوب کر کے اس قسم کی غلاظت سے صفحات سیاہ کرنے والا رافضیت کا ترجمان تو ہو سکتا ہے مگر اہلسنت سے اس کا تعلق ہرگز نہیں جوڑا جا سکتا۔ خیر ہم ترتیب سے ان اعتراضات کے جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

امت پہ جاہلوں کو مسلط کر دیا

اوراق کی تنگی تفصیل کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مختصر طور پہ ہم عرض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ میں مودودی صاحب نے کچھ واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے، ہم اس کا جواب عرض کئے دیتے ہیں۔ اولاً تو بسر بن ابی ارطاۃ، یا زیاد کے متعلق موجود واقعات سند

کے اعتبار سے ہی ساقط ہیں۔ زیاد کے واقعہ میں موجود راوی مسلمہ بن محارب اسرے سے مجہول ہے اور ایسے مجہول شخص کی روایت سے حضرت معاویہ کو مجروح کرنا انتہائی غیر دانشمندانہ عمل ہے۔ پھر اس واقعہ کے پس منظر پہ غور کیا جائے تو معاملات واضح ہو جاتے ہیں۔ واقعہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ زیاد جب کوفہ آئے تو منبر پر جا کر حمد وثنا کی اور پھر کہا: "میں بصرہ میں تھا کہ مجھے یہ خدمت تفویض کی گئی۔ میں نے ارادہ کیا کہ بصرہ کی پولیس میں سے دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ یہاں آؤں لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آپ لوگ اہل حق ہیں اور آپ کے حق نے بہت مرتبہ باطل کو دفع کیا ہے۔ اس لیے فقط اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر آپ کے پاس چلا آیا ہوں۔ الحمد للہ! لوگوں نے مجھے جتنا پست کیا تھا، اتنا ہی اللہ تعالی نے بلند کر دیا۔ لوگوں نے جس بات کو ضائع کر دیا تو اللہ نے اس کی حفاظت کی۔

جب زیاد خطبہ سے فارغ ہوئے اور ابھی منبر ہی پر تھے کہ لوگوں نے ان پر سنگریزے مارنا شروع کر دیے۔ جب تک سنگریزوں کی بارش ہوتی رہی، زیاد وہیں بیٹھے رہے۔ پھر اپنے خاص لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ مسجد کے تمام دروازے بند کر دیں۔ پھر کہا: "ہر شخص اپنے پاس والے آدمی کو پکڑ لے۔ ہرگز ہرگز کوئی نہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ میرے پاس کون بیٹھا تھا؟" اس کے بعد زیاد نے اپنے لیے ایک کرسی مسجد کے دروازے پر رکھوائی اور چار چار افراد کو بلا کر قسم لی کہ ہم میں سے کسی نے پتھر نہیں

حدثني عمر، قال: حدثني علي، عن مسلمة بن محارب: (تاريخ الطبري ج4 ص73)

مارا۔ جس نے قسم کھالی، اسے چھوڑ دیا اور جس نے قسم نہ کھائی، اسے علیحدہ روک رکھا۔ یہ سب تیس آدمی تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی افراد تھے۔ اسی جگہ ان سب کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ (تاریخ طبری ج 4 ص 84)

مودودی صاحب نے اس واقعہ کو مکمل نقل کرنے سے گریز کیا ہے، اور ایسا خلاصہ نقل کیا جس سے نفس معاملہ مبہم رہتا ہے۔ اس مکمل واقعہ کی تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ زیاد کے خطبہ میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کی بدولت اس پہ سنگریزی کی جاتی، یہ سنگریزی کرنے والا وہی گروہ تھا جو بغاوت کا ذمہ دار تھا، کوفہ کے ان شریر لوگوں نے حضرت مغیرہ کو بھی تنگ کیا تھا (تاریخ طبری ج 4 ص 93)، انہی لوگوں پہ قابو پانے کے لئے زیاد کا تقرر کیا گیا تھا، ایسے باغی حضرات کی سرکوبی بھی اگر ظلم ہے تو پھر لامحالہ حضرت علی کا خارجیوں کو قتل کرنا بھی ظلم کہلائے گا۔ ثالثاً اگر یہ ظلم ہو بھی تو بھی ہمارے خلاف نہیں بلکہ کہیں بھی حضرت معاویہ کا اس کی تائید کرنا ثابت نہیں۔ پھر جس غلط بات کی اطلاع حضرت معاویہ کو ہوئی آپ نے اس پہ تنبیہ بھی فرمائی جیسا کہ تاریخ ابن عساکر میں موجود ہے۔ کہ زیاد نے حضرت حسن کے متعلق سخت سست الفاظ کہے تو حضرت حسن نے خط لکھا جس پہ حضرت معاویہ نے زیاد کو شدید تنبیہ کی (تاریخ ابن عساکر ج5: ص418، 419)

بہر حال حضرت معاویہ نے جن حضرات کو بطور گورنر بنایا وہ وسیع تجربہ رکھنے والے

لوگ تھے [1]، ان میں سے اکثر نے خلفاء راشدین کے دور میں بھی خدمات سرانجام دیں تھیں [2]۔ اس لئے یہ کہنا کہ انہوں نے جاہلوں کو مسلط کیا انتہائی بے ادبی پہ مشتمل جملہ ہونے کے ساتھ ساتھ رافضیت کا ترجمان ہے

یزید کا تموصوف کو یزید کے تقرر پہ بھی اعتراض ہے جس کا سردست جواب یہ ہے کہ خود صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کر لی تھی، سوائے حضرت امام حسین اور حضرتِ عبد اللہ ابن زبیر کے دیگر صحابہ کی بیعت کا تذکرہ کتب تواریخ کی زینت ہے [3]۔ بلکہ حضرت نعمان بن بشیر تو کوفہ کے گورنر کے عہدہ پہ فائز رہے۔ اس لئے مطلقا یزید کی تقرری پہ اعتراض صحابہ کرام پہ جرات ہے۔ ہاں اس کے اعمال بد کا وہ ضرور ذمہ دار ہے اور صحابہ نے احادیث کے پیش نظر بیعت نہیں توڑی اور کچھ نے توڑی تو ان کے پیش نظر بھی احادیث تھیں۔ یہ مسئلہ اجتہادی تھا ہر شخص نے اپنے اپنے اجتہاد پہ عمل کیا، کسی کو مطعون کرنا درست نہیں لیکن اس سے یزید کا دفاع بھی کوئی محمود عمل نہیں ، بلکہ اہل سنت کا اس کے فسق وفجور پہ اتفاق ہے۔

استلحاق زیاد

اس پہ گفتگو کرتے ہوئے علامہ محمد علی نقشبندی رقم طراز ہیں:۔

---

[1] خلافۃ معاویہ از عقیلی ص74

[2] الامویون والبیزنطیون ص84

[3] البدایہ والنہایہ ج11 ص307، 311،

استلحاق زیاد، یعنی زیاد کو امیر معاویہ نے اپنا بھائی بنا کر اپنی وراثت میں شامل کیا۔ ایک ایسا واقعہ جو حضرت امیر معاویہ کے ہر مخالف نے ذکر کیا۔ لیکن اس واقعہ کے جہاں تک قابل اعتبار ہونے کا معاملہ ہے تو کسی شخص نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ پھر ایسی بے سند اور غیر معیاری باتوں سے حضرات صحابہ کرام کی شخصیات کو داغدار کرنا نہایت بے عقلی ہے (دشمنان امیر معاویہ کا علمی محاسبہ ج1 ص283)

حجر بن عدی کا قتل

یہ اعتراض بھی تقریبا ہر معاند معاویہ کی کتاب میں بآسانی مل جاتا ہے، موصوف حضرت حسن بصری کے حوالہ سے جو نقل کیا ہے تو یہ قول بے سند ہے، اس لئے حجت نہیں۔ دوئم حضرت حجر کا قتل مخصوص حالات میں ہوا۔ اس سلسلہ میں جو روایات پیش کی گئی ہیں، ان کے تجزیہ سے اس نتیجہ تک بآسانی پہنچا جا سکتا ہے کہ کوئی بات حتمی نہیں۔ حضرت حجر کے حوالہ سے روایت کا مرکزی راوی ابو مخنف ہے، جس کے حالات سے ہمارے قارئین واقف ہیں، موصوف پہ تفصیلی جرح اوراق سابقہ پہ درج ہے۔ پھر اس روایت میں حضرت عثمان کے قاتلوں پہ بد دعا اور حضرت عثمان کی فضیلت کا ذکر ہے جسے حضرت حجر بن عدی برداشت نہیں کرتے، اور سنگ باری کرتے ہیں، ان کے خلاف جو شہادتیں دی گئیں ان میں بھی یہ بات موجود ہے کہ آپ خلافت کو صرف آل ابی طالب کا حق سمجھتے تھے، جسے خود شیعہ مورخ دینوری نے بھی نقل کیا۔ بہر حال انہیں باغیانہ کاروائیوں کی بدولت ان کا قتل ہوا، اسے زیادہ سے

زیادہ حضرت معاویہ کی خطاء اجتہادی ہی کہا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس واقعہ کی تفصیل ہم مودودی صاحب کے تذکرہ میں رقم کریں گے۔ آخر میں ہم اس روایت پہ تبصرہ بھی رقم کئے دیتے ہیں۔اس روایت کے رواۃ میں ابو مخنف کا نام موجود ہے (تاریخ طبری ج 5 ص 279)۔ جس کی حقیقت ہم واضح کر چکے ہیں، اس لئے ابن اثیر میں امام حسن بصری سے منسوب یہ روایت بلا سند جب کہ طبری میں ابو مخنف کے حوالہ سے درج ہے، جس پہ ہم کلام کر چکے کہ ان موصوف کی کوئی روایت قابل استدلال نہیں ہو سکتی۔

سب وشتم کی بحث

اس کے علاوہ ان کے عمال لوگوں پہ ظلم وستم کرتے اور مسجدوں میں منبروں پر حضرت علی کو سب وشتم کرتے تھے اور وہ روا رکھتے تھے (قول سدید ص 52)

اس جگہ اعتراض دو اجزاء پہ مشتمل ہے۔ پہلے جز کا جواب تو ہم عرض کر چکے کہ حضرت معاویہ کے عمال سے اول تو ایسے اعمال ہرگز صحیح سند سے ثابت نہیں اور اگر کسی گورنر سے کچھ غیر محتاط عمل سرزد بھی ہوا تو حضرت معاویہ نے اس پہ فوراً تنبیہ کی ہے۔اب جہاں تک یہ کہنا کہ منبروں پہ سب وشتم ہوتا تھا انتہائی نامعقول بات ہے۔کوئی ایسی روایت موجود نہیں جس میں خود حضرت معاویہ کے سب وشتم کرنے کی صراحت ہو یا اپنے عمال کو ایسا کرنے کی ہدایت دی ہو، یہ سب تاریخ کا بہتان عظیم ہے جو صحیح سند سے محروم ہے۔ پھر یہ دعویٰ اس وقت ہی درست ہوگا جب تمام عمال کی فہرست بنا کر

ہر ایک سے اس بات کا ثبوت پیش کیا جائے ، جب کہ ہمارے مہربان نے الزام تو درج کر دیا ہے لیکن بار ثبوت جو ان کے ذمہ تھا اس سے گریز کیا۔ پھر جہاں تک حضرت حسن بصری کے حوالہ سے قول کو نقل کرنا ہے تو ایسے اقوال اکثر بے سند ہیں، اس لئے قابل حجت نہیں۔ پھر تاریخ نے جسے سب وشتم کی صراحت کی ہے اسے تسلیم کرلیا جائے تو اعتراض حضرت علی کی ذات پہ ہوتا ہے، تاریخ طبری میں ہے:۔

كان في آخر إمارته قام المغيرة فقال في علي وعثمان كما كان يقول، وكانت مقالته: اللهم ارحم عثمان بن عفان وتجاوز عنه، وأجزه بأحسن عمله، فإنه عمل بكتابك، واتبع سنة نبيك صلى الله عليه وسلم، وجمع كلمتنا، وحقن دماءنا، وقتل مظلوما؛ اللهم فارحم أنصاره وأولياءه ومحبيه والطالبين بدمه! ويدعو على قتلته. فقام حجر بن عدي فنعر نعرة بالمغيرة سمعها كل من كان في المسجد وخارجا منه.

ترجمہ:۔ مغیرہ نے اپنی امارت کے آخری زمانے میں خطبہ پڑھا اور علی وعثمان کے بارے میں وہ جو بات ہمیشہ کہتے تھے، وہ اس انداز میں کہی: "اے اللہ! عثمان بن عفان پر رحمت فرما۔ ان سے درگزر فرما اور نیک اعمال کی انہیں جزا دے۔ انہوں نے آپ کی کتاب پر عمل کیا اور تیرے نبی کی سنت کا اتباع کیا۔ انہوں نے ہم لوگوں میں اتفاق رکھا اور خونریزی نہ ہونے دی اور وہ ناحق شہید کیے گئے۔ اے اللہ! ان کے مددگاروں، دوستوں، محبوں اور ان کے خون کا قصاص لینے والوں پر

رحم فرما۔اس کے بعد آپ نے قاتلین عثمان کے لیے بددعا کی۔ یہ سن کر حجر بن عدی اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے مغیرہ کی جانب دیکھ کر ایک نعرہ لگایا۔ جو لوگ بھی مسجد میں اور اس کے باہر تھے، انہوں نے اس نعرے کو سنا (تاریخ طبری ج 4 ص 93)

اس روایت میں قاتلین عثمان پہ لعنت کو حضرت علی پہ سب وشتم سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر یہ حضرت علی پہ سب وشتم تھا تو ان کے نام نہاد محب حقیقت میں یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت علی نعوذ باللہ قتل عثمان میں شریک تھے، جب کہ ایسا ہرگز درست نہیں۔ پھر اسی تاریخ میں ابو مخنف نے اس بات کو بیان کیا ہے کہ لعنت بھیجنے کے اس سلسلے کا آغاز معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہوا تھا۔ واقعہ تحکیم کی اطلاع جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے نمازوں میں حضرت معاویہ، عمرو بن عاص، ابو الاعور اسلمی، حبیب بن مسلمہ، عبد الرحمن بن خالد، ضحاک بن قیس اور ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہم پر لعنت بھیجنا شروع کر دی۔ جب حضرت معاویہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے نمازوں میں حضرت علی، ابن عباس، اشتر، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم پر لعنت بھیجنا شروع کر دی (تاریخ طبری ج 3 ص 686، مترجم) جب کہ یہ بات سوائے ابو مخنف کے کذب کے اور کچھ قرار نہیں دی جا سکتی۔ ہم اس راوی پہ کافی سے زائد گفتگو اوراق سابقہ پہ کر چکے ہیں کہ یہ شیعی کذاب، متروک قسم کا راوی ہے، اور ایسی روایات محض حضرت علی و حضرت معاویہ کو بدنام کرنے کے لئے تراشی گئی

ہیں، ان کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر اپنی بات کو مظبوط کرنے لئے جناب حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص کو خود انہوں نے ترغیب دی کہ حضرت علی کو سب وشتم کریں (قول سدید ص 52)

اس روایت میں موجود لفظ کے حوالہ سے ہم تسلی بخش بحث اوراق سابقہ پہ درج کر چکے ہیں کہ سب عربی میں تنقید کے معنی میں بھی آتا ہے، جیسا کہ قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ:۔

"لتنتهين عن سبك او لنهجون ربك" یعنی آپ ہمارے معبودوں کو سَب کرنے سے باز رہیں، نہیں تو ہم تمھارے رب کی ہجو شروع کر دیں گے۔ تاریخ طبری جلد 2 صفحہ 164)

کیا یہاں پہ معاندین حضرت معاویہ سب کا ترجمہ گالم گلوچ سے کرنا پسند کریں گے یا اسے محض تنقید وتردید کے معنی میں ہی بیان کریں گے، جیسے یہاں سب گالم گلوچ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا، ایسے وہاں بھی گالم گلوچ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ پھر ہم چند اہم نکات کا تذکرہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں، جو اس بحث کو سمجھنے میں معاون رہیں گے۔

- حضرت معاویہ حضرت علی کی تعظیم کیا کرتے اور ان کی فضیلت اور سابق الاسلام ہونے کا اعتراف کیا کرتے تھے جس طرح کہ ان کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو مسلم خولانی اور اس کے ساتھ کچھ اور لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا: کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے تنازع کرتے ہیں یا آپ ان جیسے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے بخوبی علم ہے کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت بہتر اور افضل ہیں اور مجھ سے زیادہ حکومت کے حق دار ہیں (البدایہ والنہایہ ج 8 س 123) ایسے ہی حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو وہ رونے لگے، ان کی بیوی کہنے لگی: آپ انہیں رو رہے ہیں جن سے قتال کرتے رہے؟ انہوں نے جواب دیا: تو نہیں جانتی کہ لوگ کس قدر فضل و شرف، علم اور فقہ سے محروم ہو گئے (البدایہ والنہایہ ج 8 ص 133) [1] حضرت معاویہ کے سخت معاند ظہور احمد فیضی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے کہ حضرت معاویہ حضرت علی کے فضائل کے معترف تھے، اب جو شخص حضرت علی کے فضائل بیان کرتا ہو وہ سب وشتم کس طرح گوارا کر سکتا ہے؟

● تاریخ میں نمایاں طور پر موجود ہے کہ حسن رض، حسین رض، علی رض کے بیٹے، عبداللہ بن جعفر رض، عبداللہ بن عباس رض وغیرہ معاویہ رض سے ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے با قاعدہ سالانہ وظائف اور ہر آمد و رفت کے موقع پر الگ عطیات و تحائف وصول کرتے تھے (البدایہ والنہایہ ج 8، ص 37، 41، 137، 138، 213، 214) داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کشف المحجوب میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ سمجھنا بہت ہی مشکل

---

[1] سیدنا معاویہ بن ابو سفیان ص 249

ہے کہ یہ تمام حضرات ایمانی غیرت اور خاندانی حمیت سے عاری تھے ان کے خاندان کے سربراہ اور معزز ترین فرد حضرت علیؓ پر پوری مملکت میں "سب وشتم کی بوچھاڑ" ہوتی رہی لیکن ان میں سے کسی نے معاویہؓ سے جا کر یہ نہیں کہا کہ آپ کے حکم سے یہ کیا بیہودگی ہو رہی ہے یا کم از کم بطور احتجاج ان سے اپنے تعلقات منقطع اور وظائف لینے سے انکار کر دیا ہوتا کچھ اور نہیں تو یہ تو وہ کر ہی سکتے تھے، اور ایسی صورت میں ان کے ایمان، کردار اور خاندانی غیرت کی طرف سے ایسا کرنا ضروری تھا لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا تو اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ لوگ ہی اتنی اخلاقی جرات، ایمانی غیرت اور خاندانی عصبیت وحمیت سے نعوذ باللہ عاری تھے، یا یہ سب وشتم والا تمام افسانہ ہی طبع زاد ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں، پہلی صورت جس کو قبول ہو وہ سب وشتم کا افسانہ صحیح سمجھتا ہے، ہمارے نزدیک دوسری صورت ہی قابل قبول اور قرین صحت ہے۔

● سب سے اہم نکتہ اس سلسلہ میں جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت معاویہ کو خلافت ملی اس وقت حضرت علی وفات پا چکے تھے، آپ کی وفات کے بعد آپ کی ذات میں سب وشتم ایک لایعنی عمل ہے، جس کا کوئی جواز معلوم نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں یہ کہنا کہ اقتدار کی بقاء کے لئے ایسا کیا جاتا تھا (شرح خصائص علی ص 939) تو یہ ایک انتہائی کمزور جواز ہے۔ اس لئے کہ سب وشتم سے تو عوام کے جذبات مجروح ہونگے جس بغاوت کا اندیشہ ہوگا خود حضرات حسنین ایسے عمل کے خلاف خاموش نہیں

رہ سکتے تھے، بلکہ ضرور اس کی روک تھام کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے، مگر تاریخ اس باب میں یکسر خاموش ہے۔ پھر جب یہ حضرات حضرت معاویہ کی بیعت کر چکے تھے تو اس وقت اقتدار قائم ہو چکا تھا اور اس وقت جو حضرات حضرت معاویہ کی خلافت کے لئے چیلنج بن سکتے تھے، وہ حسنین کریمین ہی تھے، لیکن انہوں نے کبھی کوئی ایسا عمل نہیں کیا، بلکہ حضرت معاویہ کی حیات تک عطیات قبول کرتے رہے، جو اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ سب وشتم کا افسانہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

فضائل ثابت نہ ہونے کا اعتراض

جناب لکھتے ہیں:۔

ان کے فضائل میں متعدد احادیث ملتی ہیں مگر امام نسائی ۔۔۔ فرماتے ہیں کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں (قول سدید 52)

یہ اعتراض بھی اپنے اندر دم خم نہیں رکھتا۔ موصوف نے اس سلسلہ میں کوئی بھی حوالہ دینے سے گریز کیا ہے، اگر کوئی حوالہ رقم کرتے تو ہم اس پہ کچھ تبصرہ بھی عرض کر دیتے، پھر قابل غور بات یہ ہے کہ بالفرض حضرت معاویہ کے لئے کوئی حدیث ثابت نہ بھی ہو تو ان کا صحابی ہونا ہی بہت بڑی فضیلت ہے، اور وہ سارے فضائل جو صحابہ کرام کے متعلق بیان ہوئے ہیں، حضرت معاویہ اس کے حقدار قرار پائیں گے، اس لئے یہ اعتراض درست نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کا پہلا لشکر جو سمندری جہاد کرے گا اس پہ جنت واجب ہے (بخاری حدیث نمبر 2799) اس لشکر

میں حضرت معاویہ خود شامل تھے۔ایسے ہی آپ کاتب وحی تھے (دلائل النبوۃ 2 ص 243) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ہادی ومہدی ہونے کی دعا کی (سنن ترمذی حدیث نمبر 3844) سیدنا عباس نے آپ کو فقیہ قرار دیا (صحیح بخاری 3765)

14۔انور حسین شاہ کاظمی

موصوف بھی تفضیلی گروپ کے نمائندہ اور عبد القادر شاہ صاحب کے مداح ہیں،اس کے ساتھ ساتھ زبدۃ التحقیق کے بھی موئید ہیں اور تائید میں صاحب زبدۃ سے اس حد تک متفق ہیں کہ زبدۃ کی تائید میں ایک عدد کتاب بھی رقم فرمائی ۔اس لئے ہمیں موصوف کے تفضیلی ہونے پہ مزید دلائل عرض کرنے کی حاجت نہیں،لیکن ان کی کتاب انوار تحقیق کے متعلق چند گزارشات ضرور رقم کرنی ہیں۔یوں تو اس کتاب کا مفصل جواب ازہار تحقیق کے نام سے موجود ہے،لیکن ہمیں یہاں حسب سابق مضمون کی تکمیل کے لئے چند شبہات کا ازالہ رقم کرنا ہے۔

صاحب زبدۃ کا عقیدہ

موصوف لکھتے ہیں:۔

ان کا اپنا عقیدہ ہے کہ امت میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق حضرت امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق افضل ہیں (انوار تحقیق ص 12)

قارئین! یہ بھی ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے اور کے مترادف ہے۔اس لئے کہ صاحب زبدۃ نے بطور تقیہ اس کا اقرار تو کیا ہے،لیکن ایسے الفاظ کا چناؤ کرنے میں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی جس سے ان کے عقیدہ پہ پڑی تقیہ کی چادر بے نقاب نہ ہوتی۔موصوف کا عقیدہ ہم پہلے بھی نقل کر چکے وہ لکھتے ہیں:۔

فقیر کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت بحیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے اور اس حثیث سے آپ افضل الامت ہیں (زبدۃ التحقیق ص199)

نیز لکھا:۔

ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی ہونے کے جناب ابو بکر صدیق کے بارے میں بحیثیت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے (زبدۃ التحقیق ص 109)

صاحب زبدۃ نے الفاظ کی ملمع کاری سے اپنے اصل عقیدہ کو چھپانے کی سعی تو فرمائی ہے، مگر:۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

موصوف نے افضلیت کو خلافت کے ساتھ مختص کرتے ہوئے کہا کہ بطور خلیفہ راشد افضل مانتے ہیں، جبکہ خلافت ملنا یہ تو خود صاحب زبدۃ اور ان ممدوح وحواری حضرات کے نزدیک افضلیت کو مستلزم نہیں۔ زاہد حسین شاہ لکھتے ہیں:۔

اہلسنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے (مسئلہ افضلیت اور اکابرین امت ص13)

ہمارا اس سے محض استدلال یہ ہے کہ جب مفضول کو بھی خلافت مل سکتی ہے تو بحیثیت خلیفہ راشد افضل ماننے کا کیا معنیٰ ہے؟۔ اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے امام اہلسنت فرماتے ہیں:۔

اس حسین عبارت میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ائمہ سابقین کی پیروی کی اور اس

میں اس زمانے کے تفضیلیوں کا رد ہے جو جھوٹ اور بہتان کے بل پرسنی ہونے کے مدعی ہیں اس لئے کہ انہوں نے فضیلت میں ترتیب کے مسئلے کو (ظاہر سے) اس طرف پھیرا کہ خلافت میں اولیت (خلافت میں زیادہ حقدار ہونے کا) کا معنی دنیوی خلافت کا زیادہ حقدار ہونا، اور یہ اس کے لئے ہے جو شہروں کے انتظام اور لشکر سازی، اور اس کے علاوہ دوسرے امور جن کے انتظام وانصرام کی سلطنت میں حاجت ہوتی ہے ان کا زیادہ جاننے والا ہو۔اور یہ باطل خبیث قول ہے ۔صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کے خلاف ہے (المعتمد المستند ص 286)

اصل میں یہی تفضیلی حضرات کا نظریہ ہے اور ان کا خود کو مدعی سنت کہنا ہرگز درست نہیں۔اس لئے ان حضرات کا عقیدہ اہلسنت کے موافق نہیں بلکہ یہ بطور تقیہ اس کا اقرار کرتے ہیں، لیکن ان کے قلم سے صفحہ قرطاس پہ رقم الفاظ نے ہی ان کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے، اور سنیت کے لبادہ میں مستور رافضیت عیاں ہوگئی ہے ۔اب یہ کہنا کہ ہمارا عقیدہ جمہور اہلسنت کے مطابق ہے درست نہیں۔

نظریہ امامت

موصوف عبدالرحمٰن جامی کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

حضرت محمد علی بن حسین (امام محمد باقر) بارہ ائمہ میں سے پانچویں امام ہیں۔آپ کی کنیت ابوجعفر اور لقب باقر ہے (انوار تحقیق ص 31)

جامی صاحب کی یہ عبارت ان کی کتاب شواہد النبوۃ میں کچھ یوں موجود ہے :۔

آپ امام پنجم ہیں۔آپ کی کنیت ابو جعفر اور لقب باقر ہے (شواھد النبوۃ ص 317)

امامت کو محض بارہ حضرات میں محدود کرنا یہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے، اور جس کتاب کے حوالہ سے یہ بات لکھی گئی اس میں اہل تشیع کی کافی سے زائد تائید موجود ہے۔جس پہ باحوالہ گفتگو اوراق سابقہ کی زینت ہے۔

نظریہ معصومیت

ہے رتبہ اس لئے کونین میں عصمت کا عفت کا
شرف حاصل ہے ان کو دامن زہرا سے نسبت کا (انوار تحقیق ص 15)

قارئین! ہم وضاحت کر چکے کہ معصوم صرف انبیاء ہوتے ہیں، امامِ اہلِ سنّت الشاہ امام احمد رضا خان قادری ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یہاں سے خلیفہ و سلطان کے فرق ظاہر ہو گئے ، نیز کُھل گیا کہ سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے، ولہٰذا کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا کہ اس کی کسرِ شان ہے آج تک کسی نے سلطان ابوبکر صدیق، سلطان عمر فاروق، سلطان عثمان غنی، سلطان علی المرتضٰی بلکہ سلطان عمر بن عبدالعزیز بلکہ سلطان ہارون رشید نہ سنا ہوگا، کسی خلیفہ اموی یا عباسی کے نام کے ساتھ اسے نہ پایئے گا، تو کھل گیا کہ جس کے نام کے ساتھ سلطان لگاتے ہیں اسے خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس

سے بلند و بالا ہے، یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے۔۔۔عرفِ حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کر جائیں وہ نہ حکمِ شرع کا نافی ہے نہ اصطلاحِ شرع کا مُنافی۔ جس طرح اجماعِ اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصَّلٰوۃ وَالسَّلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، جو دوسرے کو معصوم مانے اہلسنت سے خارج ہے، پھر عرفِ حادِث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے جیسے لڑکوں کے معلم تک کو خلیفہ کہتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ جلد نمبر 14 صفحہ نمبر 188)

اور موصوف امام اہلسنت کے متعلق لکھتے ہیں:۔

عاشق صادق حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (انوار تحقیق ص163)

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور مَلَک کا خاصہ ہے، کہ نبی اور فرشتہ کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ اماموں کو انبیا کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بد دینی ہے۔ عصمتِ انبیا (علیہم السّلام) کے یہ معنیٰ ہیں کہ اُن کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہولیا، جس کے سبب اُن سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے بخلاف ائمہ و اکابر اولیا، کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اُنہیں محفوظ رکھتا ہے، اُن سے گناہ ہوتا نہیں، مگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔ (بہار شریعت عقیدہ نمبر 16 جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 38 مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

حضرت سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الحاصل آیتِ تطہیر کا مورد خواہ اُمہاتُ المومنین ہوں فقط یا آل کساء ہوں یا صرف آلِ کساء ہوں، ایسا ہی تطہیر دررنگ انزالِ شرعیہ ہو یا درصورت عفو و مغفرت، بہر کیف خطاء کا صدور مطہرین سے ممکن ہے۔علاوہ خلفائے ثلاثہ کے اہلبیت پاک علیہم السّلام نے باغِ فدک کے غیر مورث ہونے کو اپنی طرز سے ثابت کر دکھایا۔ (فتاویٰ مہریہ ص217)

اور آیت تطہیر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور ان سے کسی قسم کی خطا سرزد ہونا ناممکن ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت اُن سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیر الٰہی میں داخل ہوگی۔(تصفیہ مابین سنی وشیعہ ص76، جون، 2021، درگاہ عالیہ گولڑہ شریف)

ملک العلماء اور تفضیلی نظریہ کی تردید

موصوف نے علامہ باقلانی کی تائید کے لئے ملک العلماء کا حوالہ نقل کیا، ہم یہاں مسئلہ تفضیل پہ ملک العلماء کا حوالہ رقم کئے دیتے ہیں، وہ رقم طراز ہیں:۔

تفضیلیہ بھی ایک شاخ شیعہ کی ہے اور یہ لوگ مولائے کائنات کو دوسرے صحابہ کرام حتی کہ خلفائے راشدین سے بھی افضل سمجھتے ہیں، اور اس زمانہ میں یہ مرض کثیر سادات میں جاری ہے (حیات اعلی حضرت ج2 ص206)

اب مفتی عظیم صاحب کے چودہ طبق روشن ہوں نہ ہوں موصوف کے ضرور ہو گئے ہونگے۔ جہاں تک امام باقلانی کی تائید کا مسئلہ ہے تو اس پہ بھی کچھ باتیں عرض

کئے دیتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو باقلانی وہ شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے یہ قول کیا کہ افضلیت ابو بکر صدیق ظنی ہے جیسا کہ امام نووی نے رقم کیا ہے، جبکہ جمہور امت اجماع کی قائل ہے، اور اس کے مقابل ایسے اقوال اجماع کو ہرگز نہیں توڑ سکتے، بلکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ خود ہمارے معاند لکھتے ہیں:۔

یقینا جواب اکابر اہل سنت کے اجتماعی رائے کے ایجاب و قبول کے حق میں ہوگا (انوار تحقیق ص38)

تو ہم بھی عرض کرتے ہیں کہ باقلانی یا اس جیسے دیگر حضرات کے بالمقابل اہلسنت کی اجماعی رائے ہی قابل قبول ہوگی جس کے مطابق صدیق اکبر کی افضیلت پہ اجماع امت ہے۔ پھر یہی امام باقلانی لکھتے ہیں:۔

فالمسلمون متفقون على ان الامامة الكبرى، هى اعظم الامامة وان امام الامة الاعظم يجب ان يكون الافضل

ترجمہ:۔تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ بے شک امامت کبریٰ سب سے بڑی امامت ہے اور بے شک امت کے امام اعظم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام امت سے افضل ہو (مناقب ائمہ اربعہ ص38)

جبکہ ہمارے معاندین اس اصول سے انکاری ہیں، جیسا کہ نقل کیا جا چکا:۔

اہلسنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت درست ہے (مسئلہ افضلیت اور اکابرین امت ص13)

بہرحال ہم انہیں باتوں پہ اکتفاء کرتے ہوئے بحث ختم کرتے ہیں۔ الحمد اللہ آج

مورخہ 17 جنوری 2022ء دوپہر ایک بج کر 16 منٹ پہ اپنے اختتام پہ پہنچی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اسے نافع الخلائق بنائے۔ آمین ثم آمین

فہرست

(1) محمود شاہ

(2) عبد القادر شاہ

(3) مفتی محمد خان قادری

(4) ظہور احمد فیضی

(5) ڈاکٹر طاہر القادری

لا اشبع اللہ بطنہ

ریشم وسونا پہننے پہ اعتراض

خطاءاجتہادی کا انکار

کیا فضائل معاویہ بیان کرنا منع ہے؟

(6) پیر نصیر الدین

خواجہ حسن نظامی

تاریخی روایات کی شرعی حیثیت

خلافت معاویہ کی شرعی حیثیت

حضرت معاویہ اور کتابت وحی

تفضیل علی

(7) انور شاہ

ابوطالب پہلے صحابی اور منکر ایمان کافر

میسون بنت بحدل پہ ہرزہ سرائی

حضرت معاویہ اور حضرت ابوسفیان کے خلاف ہرزوسرائی

(8) طیب شاہ

شہادت امام حسن

زہر دینے کا اعتراض

(9) صائم چشتی

مرید ومداح ہزاروی

نکاح ام کلثوم کا انکار اور گستاخی کا فتویٰ

منکر ایمان ابی طالب کا اپنا ایمان مشکوک

خروج معاویہ پہ اعتراض

خطاء اجتہادی کا انکار

دھوکہ دینے کا الزام

دھمکی دینے کا الزام

روایات مکذوبہ کی وکالت

(10) مفتی غلام رسول جماعتی

حضرت معاویہ پہ اعتراضات

نکاح ام کلثوم کا انکار

عقیدہ معصومیت کا اقرار

(11) حنیف قریشی

سب وشتم کا اعتراض

نام معاویہ پہ اعتراض

حضرت ابوسفیان کو پلید کہنا

ہر صحابی نبی جنتی جنتی کا انکار

حضرت عائشہ کا خطاء پہ ہونا اور حدیث حواب

علی کا پہلا نمبر

علی معاویہ بھائی بھائی کہنے پہ اعتراض

خطاء معصیت کی نسبت

(12) صابر حسین شاہ

اہلسنت میں روافض کے آلہ کاروں کی نشاندہی

جلد اوّل

رافضیت کے معمار



مصنف

مفتی اورنگ زیب نقشبندی

بہ اہتمام انجمن انوار رضا یو کے

ناشر انجمن انوار رضا یو کے